براہوا تحادیہ (براہوئی) کی تاریخ

اُلفت نسیم

بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

عدالت روڈ، کوئٹہ

(c) All rights are reserved.

اے کتاب ءِ درائیں حقّ گوں بلوچی اکیڈمی ءِ انت۔

بیدءا اکیڈمی ءِ رضاءَ کسّ ایشی ءِ مواداں چاپ کُت نہ کنت۔

(انٹرنیٹ ایڈیشن)

کتاب کا نام	:	براہوا تحادیہ (براہوئی) کی تاریخ
مصنف	:	اُلفت نسیم
سالِ اِشاعت	:	2014
پرنٹر	:	یونائیٹڈ پرنٹرز کوئٹہ
قیمت	:	200/-

ISBN: 978-969-9768-34-7

لڑ

اُشمار	سرگال	تا کدیم
1۔	دوبول	4
2۔	براہوئی۔۔۔۔۔نام اور مفروضے	8
3۔	براہوئی قدامت	20
4۔	اشاریہ	28
5۔	براہو جدگال جنگ	31
6۔	اشاریہ	35
7۔	براہو جدگال جنگ کی منظوم داستان	41
8۔	اشاریہ	48
9۔	منظوم داستان کا خلاصہ	50
10۔	براہو	60
11۔	میرو براہو میروانی	62
12۔	میر عمر براہو میروانی	62
13۔	میر بجّار براہو میروانی	63
14۔	اشاریہ	64
15۔	2۔ براہو	72
16۔	براہو اتحادیہ کے ارکان	124
17۔	براہو جدگال جنگ ءِ شعر	132
18۔	رزمیہ نظم کا ترجمہ	154
19۔	حوالے کی کُتب	168

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوبول

غیر مُلکی، غیر قومی اور غیر معتبر مصنّفین اور ان کے خوشہ چینوں کی بدولت بلوچوں کی قومی تاریخ و تشخص ایک مسخ شدہ لاش کی صورت میں سامنے پڑی ہے جو نہ پھینکی جاسکتی ہے اور نہ اپنائی جاسکتی ہے۔ اِسی مسخ شدہ لاش کا ایک اہم حصّہ براہوئی تاریخ ہے جس کا حُلیہ مفروضوں کے بے رحم ناخنوں نے بگاڑ دیا ہے۔ اِس بگاڑ میں ہماری قبائلی زندگی کا بھی بڑا کردار رہا ہے۔ آپس کی قبائلی جنگوں اور معمولی امور پر اختلافات کی شدّت اور انتہا پسندی نے بلوچ قوم کو گروہوں اور طائفوں میں تقسیم کر کے انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہی علیٰحدہ شدہ گروہ اور طائفے اپنے قبیلائی مراکز سے ٹوٹ کر مختلف خطوں میں جا بسے اور پھر نئے علاقائی اور لسانی ناموں سے متعارف ہوئے۔ انہی ناموں کو بنیاد بنا کر دشمنوں اور مفادات کے تحت قلم اٹھانے والوں نے انہیں مختلف نسلوں سے وابستہ کیا اور خاص طور پر براہوئی قبائل کو زبان کی بنیاد پر ہزاروں میل دُور کی بے بنیاد نسلوں سے جوڑ دیا۔ شاید اس کی وجہ یہی ہے کہ

''ہم نے جغرافیائی لحاظ سے باہم متّصل خطّوں میں بود و باش رکھنے کے باوجود ایک دوسرے کا قرب حاصل نہیں کیا اور متحد ہونے کی کوشش نہیں کی''

(''مختصر تاریخ قوم بلوچ اور خوانین بلوچ'' از خان احمد یار خان بلوچ)

اور نہ کہ غیروں کے قلم کی جارحیت کو روکنے کی جدو جہد کی اور نہ کہ نیک نیّتی سے قلم اٹھانے والوں کے لئے حقیقی بنیادوں کی فراہمی میں معاونت کی اور نہ کہ خود اپنے تاریخی وتہذیبی قدیم آثار، قدیم دستیاب شعری میراث، روایات اور قبائل کے پاس موجود شجر ہائے نسب و دیگر دستیاب تحریری غیر مطبوعہ مواد کا کھوج لگا کر اُن سے استفادہ کیا۔ یہ ہماری ذہنی غلامی کی انتہا ہے کہ ہم اپنی تہذیب وتاریخ، روایات اور اپنے ادبی وثقافتی ورثے پر بھروسہ نہیں کرتے اور غیروں کو اور خصوصاً یورپیوں کو اپنے معاملات میں اتھارٹی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یورپیوں نے بعض حالتوں میں اپنے مفادات کے پیش نظر ہمارے ہی ادبی اور تہذیبی سرمائے اور قومی روایات سے استفادہ کیا لیکن بے ایمانی اور منافقت کے ساتھ۔

یہ تو ہر کوئی جانتا ہے کہ یورپی ہمارے وطن میں ہماری تاریخ مرتّب کرنے نہیں آئے تھے اور نہ کہ باہر سے آنے والے حکمرانوں کا مطمع نظر تاریخ نویسی رہا ہے۔ وہ مفادات کی سیاست پر یقین رکھتے ہیں اور ان کا قلم، ان کی تحقیق اور ان کی تمام تر دلچسپیاں مفادات کے گرد گھومتی ہیں۔ اسی مقصد کے پیش نظر وہ اقوام کے ماضی، حال اور مستقبل سے کھیلتے رہتے ہیں اور ان کے درخشان ماضی کو تاریخ سے اوجھل کر کے ان کی قومی روایات وتاریخ، کردار و تشخص کو مسخ اور منتشر کر کے رکھ دیتے ہیں اور ان کے قومی وجود کو اس حد تک مشکوک بنا کر رکھ دیتے ہیں کہ انہیں اپنے معلوم باپ اور معلوم بیٹے کو بھی اپنا باپ اور بیٹا ثابت کرنا پڑتا ہے۔ بلوچستان کا ایک پبلشر عابد بخاری لکھتے ہیں کہ:

> ''بلوچ قوم کی تہذیب، تمدّن، رسم ورواج ثقافت اور تاریخ پر مُستشرقین اور محقّقین نے کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں دور حاضر کے اسکالرز لیفٹیننٹ لیچ، سر ہنری پوٹنگر، کرنل ڈیمز،

چارلس میسن، مُلّا محمد صدیق ،اے۔ ڈبلیو ہیوگز اور رائے بہادر ہیتو رام قابل ذکر ہیں۔لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان مصنّفین کی سامراجی قوتوں سے وابستگی بلوچ قوم کے تشخّص کو صحیح طریقہ سے اُجاگر کرنے میں آڑے آتی رہی۔''

ایسے ہی خیالات کا اظہار بابائے بلوچستان میر غوث بخش بیزنجو نے میر گل خان نصیر کی تصنیف ''تاریخ بلوچستان'' کے دیباچے میں کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:۔

''قومی تاریخ نویسی میں جو مقام اسی قوم کا ایک مورّخ حاصل کرسکتا ہے اُس تک رسائی کسی غیر قومی مورّخ کے لئے ناممکن ہے کیوں کہ ایسا مورّخ جو خود بھی اسی قوم کا ایک فرد ہو، جس کی تاریخ وہ لکھتا ہے۔ ان تمام فطری صلاحیتوں سے متمتّع ہوتا ہے جو ایک مورّخ کیلئے ضروری ہوتی ہیں۔اس کی قومی عصبیت اسے واقعات کو غلط رنگ میں پیش کرنے سے روکتی ہے۔''

لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بلوچ تاریخ نویسوں نے بلوچ مورّخ ہونے کے مقام کے حصول کے لئے محققانہ طرزِعمل اختیار نہیں کیا اور سہل ترین راستہ سے وقتی طور پر محض نام کمانے کی کوشش کی۔وہ تحقیق کی بھول بھلیوں میں پڑنے سے گریزاں رہے ہیں اور غیروں کی مفروضات کو دُھرا دُھرا کر انہیں تاریخی سچ بنانے میں پیش پیش رہے ہیں۔ اِس سلسلے میں براہوئی تاریخ کا موضوع نمایاں مثال ہے۔ جو صرف دو مصنّفوں میر گل خان نصیر اور آخوند محمد صدیق کے مفروضات پر مبنی غلط اور من گھڑت تاریخ ہے جسے تقریباً نوّے فیصد مصنّفین نے دُھرا دُھرا کر تاریخ کے

طالب علم اور قاری کو گمراہ کر دیا ہے اور براہوئی تاریخ پر ایک دبیز پردہ ڈال دیا ہے۔ لیکن ''تاریخ'' کی فطرت ہے کہ وہ تادیر جعلسازیوں اور فریب کاریوں میں پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور کسی نہ کسی دن اپنے صراطِ مستقیم کو پالیتی ہے۔

آخرکار براہوئی تاریخ کی پوشیدہ حقیقت نے بلوچی ادبی سرمایہ سے سر نکال کر اپنا اظہار کر دیا اور سردار خان گشکوری کے اِن ریمارکس کو جھٹلا دیا کہ :

> ''لفظ براہوئی، بلوچستان اور اس کے باشندوں کے متعلق قدیم روایات میں مذکور نہیں ہے۔ قدیم بلوچی شاعری مختلف قبائلی ناموں اور ماضی کے قبائلی جھمگٹوں پر کافی روشنی ڈالتے ہیں لیکن براہوئی کے متعلق وہ بالکل گنگ ہے'' (بلوچ قوم کی تاریخ، جلد دوئم صفحہ ۵۸۷)

براہوئی تاریخ نے معروف بلوچی رزمیہ داستان ''براہو جدگال جنگ ءِ شعر'' کی صورت میں اپنا اظہار کر دیا ہے۔ جسے ہم اگلے صفحات میں پیش کر رہے ہیں۔ ہمارے معاونین میں وہ سارے مہربان شامل ہیں جن کے اسماء دو تین کتابوں میں شائع کر دیئے گئے ہیں۔

الفت نسیم۔ خضدار

۱۳ جون ۲۰۱۳ء

براہوئی۔۔۔۔۔نام اور مفروضے

براہوئی جو بلوچستان سے باہر ''بروہی'' کہے جاتے ہیں، کی تاریخ اور اصل و نسل پر یورپین اور ہندو پاک کے بیشتر مصنّفین و محققین نے کافی سے زیادہ بحث کی ہے۔لیکن وہ ان کی اصل تاریخ تک پہنچ نہیں پائے اور اس موضوع کو ایک نہایت ہی پیچیدہ مسئلہ بنا کر گئے اور اِس پر کئی سوالات جنم دے کر گئے جیسے کہ:۔

۱۔ براہوئی نام ہے کیا؟

۲۔ کیا یہ نام قدیم ہے یا جدید؟

۳۔ براہوئی قبیلے کون سے ہیں اور ان کی اصلیت کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

جیسے کہ اوپر تذکرہ کیا گیا ہے یہ نام بلوچستان میں براہوئی اور بلوچستان سے باہر خصوصاً سندھ میں ''بروہی'' کہا اور لکھا جاتا ہے ''امپیریل گزیٹیئر آف انڈیا، بلوچستان سیریز'' میں براہوئیوں کے حوالہ سے لکھا گیا ہے کہ لفظ ''براہوئی'' براہو نام سے نکلا ہے جو کہ ان کے آباء واجداد میں سے کسی کا نیم نام تھا جو کہ ابراہیم یا براہیم کی تبدیل شدہ شکل ہے۔مزید کہا گیا ہے کہ بلوچی شاعری میں بھی اُسے براہو بیان کیا گیا ہے (صفحہ نمبر 29)۔ایک انگریز محقّق ہیوگز بُلر ''براہوئی'' نام کو ایک جدّی نام بتاتا ہے۔اُن کے خیال میں ابراہیم کا نیم نام ''براہو'' تھا جس کی اولاد براہوئی کہلائی۔اسی خیال سے ''تاریخ بلوچستان'' کے انگریزی دور کے مؤلف رائے بہادر ہتورام نے بھی اتفاق کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:۔

''وجہ تسمیہ براہوئی اغلباً براہیم کی اولاد ہونے سے منسوب ہوسکتا ہے۔'' (صفحہ ۱۵۷)

مذکورہ مصنّفین نے یہ کہیں نہیں بتایا ہے کہ ابراہیم کون تھا اور کس علاقے سے تعلق رکھتا تھا۔ جبکہ مذکورہ موقف سے پہلے ہتورام نے درج ذیل مفروضہ قائم کیا تھا۔

''بعد از غدر امامینؓ جس وقت میر احمد مدینہ سے کوچ کر کے کوہستان و دامانِ حلب میں آیا اور سکونت خود بمقام بروہ اختیار کی، اِس واسطے بہروچ ان کی قوم مشہور ہوگئی، پھر رفتہ رفتہ بہروچ سے بلوچ مشہور ہوئی'' پھر لکھتے ہیں:۔ ''سکونت علاقہ بروہ ضلع حلب سے وہ براہوئی مشہور ہوئے۔'' (۱)

مصنّف عجیب تضاد بیانی کا شکار ہے۔ اسی ''بروہ'' کے مقام کو وہ بہروچ سے نسبت دے کر اسے ''بلوچ'' نام کی وجہ تسمیہ لکھتا ہے اور پھر اسی ''بروہ'' کو وہ ''براہوئی'' سے نسبت دے دیتا ہے۔ بروہ میں آباد ہونے والے اِس گروہ کو وہ میر احمد نامی شخص کی سرکردگی میں مدینہ سے ہجرت کرواتا ہے لیکن یہ نہیں بتا سکتا کہ مذکورہ میر احمد کون تھا اور بنیادی طور پر مدینہ سے اُس کا کیا تعلق تھا۔ نہ وہ ان میں سے کسی بات کی وضاحت کر سکتا ہے اور نہ کسی مستند تحریر کا حوالہ دے گیا ہے۔ علاوہ اِس کے اس کا مفروضہ ''بروہ'' نہ بلوچ نام پر فٹ بیٹھتا ہے اور نہ ''براہوئی'' نام پر۔ اُسے یہ بھی معلوم نہیں کہ جس لفظ کو وہ ''بُروہ'' لکھتا ہے وہ عربی نام ''بَرَوَہ'' (BURVAH) ہے بروہ نہیں ہے۔

ہتورام کے اس خیال کو ''یادگار تاجپوشی قلات ۱۹۳۲ء'' کے مؤلف مولوی دین محمد اور ''ایک منزل تین راستے'' کے مصنف عبد الحلیم اثر افغانی نے بھی اپنایا۔

ہتورام نے ایک دوسرا مفروضہ بھی ''باروہی'' کی نسبت سے بھی پیش کیا اور اُس پر

خیال آرائی کرتے ہوئے لکھا کہ روہی پہاڑ کو کہتے ہیں۔ اور فارسی کا ''با'' بمعنی ساتھ ہونا کے ہیں۔ اس طرح لفظ ''باروہی'' بمعنی ''پہاڑ والا'' یا ''پہاڑوں میں رہنے والا'' کے ہیں۔ وہ وضاحت کرتے ہیں کہ چونکہ یہ لوگ قدیم وقت سے پہاڑوں اور ان کے دامن میں رہتے ہیں اس لئے باروہی اور پھر کثرت استعمال سے بروہی کہلائے (گل بہار)۔

ہتورام کے اس مفروضہ پر کہا جا سکتا ہے کہ ناموں کی تشکیل ایسے نہیں ہوتی۔ اور دنیا میں ایسا کوئی نام نہیں ہے جو دو زبانوں سے ملکر وجود میں آئے۔ ہتورام کا نام ''باروہی'' ''با'' اور ''روہی'' سے ملکر بنایا گیا ہے۔ ''با'' فارسی لفظ ہے۔ جبکہ ''روہی'' سندھی اور جدگالی لفظ ہے جس کے معنی ''پتھر'' کے ہیں۔ دراصل ''باروہی'' کا مفروضہ انگریز محقّق میسن کا کہا ہوا ہے جسے ہتورام نے اپنایا۔ اِس خیال کو معروف محقق سردار خان گشکوری نے بھی نیم دلی سے اپنا کر لکھا کہ آج بھی سندھ میں بروہی کے معنی ''قلات کے پہاڑوں کے لوگ'' لئے جاتے ہیں۔ حالانکہ سردار خان کا یہ کہنا بالکل غلط ہے۔ شاید انہیں نہیں معلوم کہ کسی زمانے میں تمام سراوان بشمول کوئٹہ وغیرہ ''کوہستان'' کہلاتا تھا۔ لیکن اس کے باسی کوہستانی اور ''باروہی'' وغیرہ کبھی بھی نہیں کہلائے۔

کتاب ''ازمنہ بلوچ'' کے مصنّف نے براہوئی کو ابوالقاسم ابن حوقل کے ''زم بردہی'' پر منطبق کرتے ہوئے اپنے طور پر اِس مسئلے کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ابن حوقل کا قبیلہ بروہی سے متعلق تذکرہ کرنا دلچسپی سے خالی نہیں۔ اُس نے دسویں صدی میں بروہیوں کو دوسرے سو قبائل میں سے ایک قبیلہ بتایا ہے جو کوچ و بلوچ اور دیگر قبائل کے ساتھ صوبہ فارس اور اس کے گرد و پیش کے علاقوں میں رہتے تھے۔ وہ آگے اسی تسلسل میں لکھتے ہیں کہ :

''موجودہ دور کے مورّخ کے لئے یہ حیرت انگیز بات ہوگی،

ساتھ یہ امر بھی کچھ کم تعجب انگیز نہیں کہ انگریز مورّخین جو تحقیق کی وادیوں میں سرگرداں رہتے ہیں، کی نظر بھی ابن حوقل کے اِس بیان پر نہیں پڑ سکی ہے حالانکہ سر ولیم روزلے نے 1800ء میں اِس کا ترجمہ فارسی سے انگریزی میں کر دیا تھا۔ یہ لوگ ناحق بروہیوں اور ان کی زبان سے متعلق مخمصے میں پڑے رہے اور اِس مسئلہ کو اور بھی الجھا گئے۔''

ابن حوقل نے اپنی تصنیف کتاب المسالک و الممالک میں قبائل ''زم درمانیان'' و ''زم کرمانیان'' کے ساتھ ''زم بِردی'' قبیلہ کا نام لکھا ہے جو عرب قبیلہ ہے اور سولہویں صدی عیسوی سے یہ بلوچستان میں مکران کے شہر جیونی میں آباد تھا جہاں پر اُس کے نام کا موضع موجود ہے سترھویں صدی کے دوران یہ عرب نژاد بلوچ قبیلہ دیگر کئی بلوچ طائفوں کے ساتھ سندھ کی طرف نکل گیا اور موجودہ وقت میں سندھ میں موجود ہے اور ''بِردی'' کہلاتا ہے۔ بلوچ اِسے ''بُردی'' تلفظ کرتے ہیں۔ اِسی بُردی نام کو سردار خان گشکوری نے اپنے مطلب برآری کے لئے استعمال کیا ایک اور مصنّف مولانا نور احمد خان فریدی نے رند قبائل کے اجداد کے ایک تاریخی نامور شخص میر جلال خان کے خاندان سے کسی ''میر بروہی ولد میر دوست'' کا تذکرہ کر کے اس نام کو براہوئی یا بروہی کا ماخذ لکھا (2)۔ حالانکہ ''میر بروہی'' نہ کوئی نام رہا ہے اور نہ اس سے کوئی معنی نکلتے ہیں۔ لہٰذا اس کے فرضی کہانی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

بلوچ مورّخ میر گل خان نصیر نے اس بارے میں ''بُرز کوہی'' کا مفروضہ قائم کیا جو بقول اُس کے پھر بگڑ کر بروہی یا براہوئی ہو گیا۔ انہوں نے اس کی وضاحت یوں

کی ہے کہ جب ایرانی بادشاہ نوشیروان نے بُرزکوہ کے کوچ و بلوچ قبائل کے خلاف لشکر کشی کی تو انہوں نے برزکوہ سے مہاجرت کی اور سطح مُرتفع قلات پہنچے اور یہاں ''سیوائی قبائل'' میں برزکوہ کی نسبت سے ''بروہی'' مشہور ہوئے جو مقامی زبانوں کے لہجے اور تلفظ سے رفتہ رفتہ بروہی یا براہوئی ہوگیا۔

میر موصوف نے جس برزکوہ کا ذکر کیا ہے اُس کے بارے میں یہ نہیں بتایا ہے کہ برزکوہ کہاں ہے اور نہ کہ انہوں نے ''سیوائی قبائل'' کا نام لیا ہے کہ یہ کون کون سے قبیلے تھے اور یہ کہ سیوائی کا نام انہوں نے کس سَند اور کس حوالے سے لیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے مقامی زبانوں یا بولیوں کا نام نہیں لیا ہے کہ وہ کونسی زبانیں تھیں وران زبانوں کے بولنے والے کون سے قبیلے تھے۔ جس سے اُن کے موقف کو جانچا جاسکے۔

درحقیقت بُرزکوہ ایران کے صوبہ کرمان میں واقع ایک پہاڑ ہے جو کتابوں میں ''البرز'' کے نام سے درج ہے۔ جس کے آس پاس نوشیروان کے زمانے میں بلوچوں کے کوچ قبائل آباد تھے جو اکثر و بیشتر ایرانی حاکموں اور بادشاہوں کے ظلم اور ناروائیوں اوران کے گماشتوں کی آئے روز لوٹ مار کے خلاف مزاحمت کرتے تھے اور یہی بلوچ قبیلے کرمان سے مکران کے علاقے میں آکر آباد ہوتے تھے۔ لیکن ان میں برزکوہی کے نام سے کوئی قبیلہ یا گروہ دیکھا یا سنا نہیں گیا ہے۔ نوشیروان کے ظلم و بربریت کے نتیجے میں کرمان کے پہاڑی علاقوں سے کوچ بلوچ (کوچ اور بلوچ کی اصطلاح غلط ہے) قبائل ہجرت کر کے مکران چلے آئے اور یہاں وہ کوچ ہی کہلائے۔ جس مقام پر کوچ قبائل آباد ہوگئے وہ جگہ مقامی زبان مکرانی میں ''کیچ'' کہلایا۔ اور جو آج تک اسی نام سے موجود ہے۔ اور مشرقی مکران ڈویژن کا ہیڈ کوارٹر اور ضلع ہے۔ یہی وہ لوگ یا قبیلہ تھے جو کرمان کے پہاڑی علاقوں سے ہجرت کر کے آئے تھے لیکن کبھی بھی بُرزکوہی نہیں

کہلائے۔ اور نہ ان میں بُرز کوہی کے نام سے کوئی گروہ موجود تھا اور نہ کہ نوشیروان کے ظلم کے نتیجہ میں کوئی قبیلہ قلات اور اس کے آس پاس کبھی آیا تھا۔ دراصل میر گل خان نصیر نے برز کوہی کا مفروضہ شاہ نامہ فردوسی کے اشعار سے اخذ کیا ہے۔ جس میں فردوسی نے کرمان کے علاقوں میں بلوچ مزاحمت کاروں کے خلاف شاہِ ایران نوشیروان کے حملوں اور بلوچوں کی نسل کُشی کے واقعات بیان کئے ہیں۔

مرحوم دراصل براہوئیوں کو اُن کوچ قبائل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ جن کا ذکر دسویں صدی عیسوی میں کیا گیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''بلوچستان، قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں'' اور ''کوچ و بلوچ'' میں شاہنامہ فردوسی کے درج ذیل شعر کا غلط ترجمہ کر کے اپنا استدلال پیش کیا ہے ؎

نشستہ درآں دشت بسیار کوچ
زافغان و لاچین و کرد و بلوچ

میر صاحب نے اس شعر کا اردو ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے:۔

''وہ دشت جس میں بڑی تعداد میں کوچ (براہوئی)، افغان، لاچین، کرد اور بلوچ آباد تھے۔''(3)

پھر وہ اس کی وضاحت اِس طرح کرتے ہیں:۔

''چنانچہ فی زمانہ بھی لاچین کے علاوہ جس کی نشاندہی مشکوک ہے، باقی تمام متذکرہ قبائل اسی دشت میں بدستور آباد ہیں۔''

فردوسی نے کوئٹہ کے قریب دشت گوئنڈین اور دشت زنڈین میں متذکرہ قبائل کی آبادکاری کا ذکر کیا ہے۔ جس میں کہیں بھی براہوئی کا نام نہیں ہے۔ یہ دشت زمانہ

قدیم سے کرد بلوچ قبائل کی ملکیت رہی ہے۔

فردوسی کے اس شعر میں کوچ بمعنی ''خانہ بدوش'' استعمال ہوا ہے۔شعر کے دوسرے مصرعہ کا ''ز'' ازخود کوچ کے معنی بتا رہا ہے۔شعر کا صحیح ترجمہ اس طرح ہے:۔

''اس دشت میں کافی خانہ بدوش آباد ہیں جو افغان، لاچین اور کرد بلوچ ہیں''

یا

''اس دشت میں افغان و لاچین اور کُرد بلوچ خانہ بدوش آباد ہیں''

کوچ کا لفظ آج بھی افغانستان و ایران میں خانہ بدوش کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔فرنٹیر اور مشرقی ایران میں یہ لفظ ''کوچی'' ہے۔یہ بات سمجھ میں آنے والی نہیں ہے کہ میر صاحب نے کوچ کے سامنے بریکٹ میں اپنے طور پر ''براہوئی'' کیوں کر لکھ دیا۔میرا خیال ہے کہ چونکہ عرب جغرافیہ نویسوں نے کوچوں کو کردوں سے مشابہ لکھا ہے۔ اس لئے میر صاحب نے کردوں کی قدامت کے پیش نظر براہوئیوں کو البُرز کے کوچ لکھ کر ''برزکوہی'' کی اصطلاح گھڑ لی۔اور بروہی یا براہوئی کو اس کی بگاڑ قرار دیا۔اور پھر اپنی دوسری کتاب ''کوچ و بلوچ'' میں اسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے اپنے سابق بیانات کی تردید کی اور لکھا کہ براہوئی ہمیشہ سے بلوچ کہلاتے رہے ہیں۔اور انہوں نے اپنے کو یا دوسروں نے ان کو سوائے بلوچ کے کسی براہوئی کے نام سے یاد نہیں کیا ہے۔''قلات بلوچ'' کے آخری فرمانروا خان میر احمد یار خان بلوچ اپنی تصنیف ''اِن سائیڈ بلوچستان'' میں براہوئی نام کا ماخذ ''براہیمی'' لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بلوچوں نے کرمان سے ہجرت کرنے کے لئے اپنے کو دو

بڑے لشکروں میں تقسیم کر دیا۔ ایک لشکر نے میر سعد کی سرکردگی میں سیستان کے زیرین علاقوں کو اپنا مسکن بنایا اور دوسرے نے میر جلال خان رند کی سرکردگی میں ایرانی بلوچستان کی طرف رُخ کیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ قبائل لشکر اپنے لیڈروں کے ناموں سے شہرت پا گئے میر سعد اور اس کا بیٹا میرو اور اس کا چھوٹا بھائی سیستان میں چند سال قیام کرنے کے بعد چاغی اور خاران کی طرف نکل گئے۔ اور بالآخر سوراب اور مار آپ کے راستے سیاہ کُمب میں قیام کیا جہاں وہ ہمیشہ کے لئے رہ گئے۔ اس لشکر کو ''براہیمی بلوچ'' کہا جاتا تھا اب ''براہوئی بلوچ'' کے نام سے مشہور ہے۔

خان صاحب کا مذکورہ بیان ان کی غلط بیانی اور مفروضہ ہے۔ جس کا تاریخی حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تاریخی حقیقت یہی ہے کہ بلوچ من حیث القوم ہزاروں سالوں سے اِسی بلوچستان کی وسیع وعریض سرزمین پر موجود رہی ہے۔ کہیں باہر سے ہجرت کر کے آئی نہیں ہے۔ اِس چیز کے بیسویں سَند کتابوں میں دستیاب ہیں۔

ابوالقاسم فردوسی نے شاہنامہ میں، جو کم وبیش ایران کے 3874 سال کے تاریخی مواد پر مشتمل ہے۔ بلوچوں کا کیکاؤس یا کے خسرو فوجیوں کی حیثیت سے ذکر کیا ہے جو اسی سرزمین کے باسی تھے۔ یہ تذکرہ تمام قدیم تذکروں سے قدیم تر ہے (4)۔ فردوسی لکھتا ہے کہ کیخسروں کی فوج میں اِس کے جرنیل سائمباس کے زیر کمان میر استاغاؤس (افراسیاب) کے خلاف نبرد آزما ہوئے تھے۔ مئوخر الذکر کا زمانہ 585 ق م سے 558 قبل مسیح ہے (5) ایسے ہی مشہور یونانی مؤرّخ ہیروڈوٹس نے اپنی تاریخ میں یونان کے ریکارڈ سے چھپن اقوام کی فہرست حاصل کر کے درج کی۔ یہ اقوام شاہ ایران زرکس کی فوج میں شامل تھے جس نے یورپ پر حملہ کیا اور ڈوراسکس کے میدان میں جنگ لڑی۔ یہ تذکرہ اُس تاریخ میں یوں درج

ہے۔ترجمہ:۔

"یہاں سوتی کپڑوں میں ملبوس ہندوستانی،
مصر سے اوپر رہنے والے ایتھوپیائی، شیر ببّر
کی کھالوں میں ملبوس گدروشیا کے گندمی
رنگ والے بلوچ نظر آرہے تھے۔"(6)

واضح ہو کہ گدروشیا متحدہ بلوچستان کا وہی حصہ کہلاتا تھا جو لس بیلہ سے بمپور (پُھرا) تک کا خطّہ ہے۔ یہ تاریخی ریکارڈ بلوچستان ہی کی سرزمین پر 485 قبل مسیح میں بلوچ قوم کی موجودگی ثابت کرتا ہے۔لیکن ان ہزاروں سالوں کے دوران کبھی بھی کرمان وغیرہ سے بلوچوں کی بلوچستان میں مہاجرت کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔کرمان صدیوں سے بلوچستان کا سرحدی ہمسایہ ہے۔ جہاں بلوچ پہلے بھی رہتے آئے تھے اور آج بھی رہ رہے ہیں۔اس میں کسی ہجرت کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ جہاں تک جلال خان کے اپنے قبائل کے ہمراہ بلوچستان میں ورود کی بات ہے وہ بلوچی ہجرت نہیں کہلا سکتا کیوں کہ جلال خان کے قبائل تُرکی کے علاقہ اناطولیہ کے موضع روم کے تُرک تھے جنہوں نے کربلا کے واقعہ کے نتیجے میں ترکی میں بدامنی کے پیس نظر ایران کے لئے ہجرت کی جہاں پر اُس دور میں کوئی شورش نہیں تھا اور علاقہ پُرامن تھا۔ یہ سراسر ایک اتفاق تھا کہ جلال خان اور اس کے ترک طائفے یا گھرانے ایران سرزمین پر واقع بلوچستان کے حصّے میں آباد ہوئے اور پانچ سو سال تک پھل پھول کر مختلف قبیلوں کی تشکیل کی اور بلوچوں میں مدغم ہو کر بلوچ بنے جو موضع روم کی نسبت سے رومی کہلاتے تھے۔کرمان سے اُسکی ہجرت کا واقعہ خان صاحب کی ذہنی اختراع ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جہاں تک اُس کے مبیّنہ میر سعد کی بات ہے وہ مہاجر لشکر کا

سربراہ نہیں تھا۔ بلکہ یہ نام خان صاحب نے اپنے خاندان کے شجرہ نسب سے اخذ کیا ہے، اور ہجرت کی کہانی گھڑ لی ہے۔ یہ ''سعد'' رئیس قوم کی تاریخی شخصیّت میر حمزہ رئیس کا نواسہ تھا۔ (15) اور حاکم پنجگور میر کمبر کے اجداد سے تھا، کہیں باہر سے نہیں آیا تھا۔ اور خان صاحب کے کہنے کے برعکس اُس کا کوئی بیٹا میرو نامی نہیں رہا ہے۔ میرو، براہیم نامی شخص کا بیٹا تھا۔ خان صاحب نے اس داستان طرازی میں کچھ تو اپنے خاندانی شجرہ نسب کے ناموں کو سامنے رکھ کر کاغذ سیاہ کیا اور باقی ماندہ میر گل خان نصیر کی کتابوں سے اخذ کیا ہے۔

اپنی دوسری تصنیف ''مختصر تاریخ بلوچ قوم اور خوانینِ بلوچ'' کے صفحہ نمبر 7 اور صفحہ نمبر 8 پر اور پہلی کتاب کے پیش لفظ میں وہ ایک مختلف موقف اپناتے ہیں:۔

> '' کوہ البرز کا بلوچ طائفہ اپنے سردار میر ابراہیم کی قیادت میں سیستان ،تُوران میں داخل ہوا۔ قلات میں جب یہ لوگ پہنچے تو اُن کا بُزرگ میر کمبر خان تھا۔ لیکن ابراہیم خان کے نام کی نسبت سے یہ لوگ براہیمی کہلائے جو دراوڑ زبان سے اختلاط کے بعد بگڑے بگڑتے براہوئی یا بروہی بن گئے''۔

براہوئی زبان کے نام کے بارے میں بھی لکھتے ہیں کہ اس کا نام بلوچوں کی نسبت سے یعنی البُرز کوہی سے مخفّف ہو کر یا ابراہیمی سے بگڑ کر بروہی بنا۔

خان صاحب اپنے اجداد کے بارے میں لاعلم ہیں اور انہیں دوسروں کے غلط سلط قیاسات اور مفروضوں پر انحصار کرنا پڑ رہا ہے۔ حالانکہ اُن کے اجداد میں سے میر

کمبر کوئی گمنام شخص نہیں رہا ہے۔قدیم بلوچی شاعری میر کمبر کی بہادری کی داستانوں سے بھری پڑی ہے۔خود خوانین قلات کے ایک درباری اور ان کے سوانح نگار قاضی نور محمد گنجابوی نے اپنی منظوم داستان ُجنگ نامہ تُحفۃ النصیر'' میں میر کمبر کے بارے میں لکھا ہے۔لیکن لگتا ہے کہ خان صاحب نے اپنی خاندانی تاریخی کتابی ذخیرے میں دلچسپی نہیں لی ہے ۔ ورنہ وہ براہوئی نام کے بارے میں ایک مفروضے پر یقین نہیں کرتے اور نہ کہ اپنے ہی ایک دادا کے بارے میں اتنے لاعلم ہوتے۔میر کمبر پنجگور کا باشندہ تھا۔نہایت دلیر اور جنگجو شخص تھا۔جس نے نہ صرف سرحدِ کیچ سے ایرانی علاقہ ''سرحد'' تک اپنے زیر نگیں لایا بلکہ قلات کا فاتح بھی وہی شخص تھا۔ جو قبیلے کا رئیس تھا۔جو خان صاحب ہی کے خاندان کا بنیادی قبیلہ ہے۔

جہاں تک خان صاحب کے لفظ بروہی کا تعلق ہے تو صرف سندھ کے لوگ یہ نام استعمال کرتے ہیں۔باقی ہر جگہ یہ نام براہوئی ہے۔اور یہ بگڑا ہوا نام نہیں ہے۔لفظ بروہی کا تاریخ میں پہلی بار استعمال سندھی مورخین نے خان قلات میر عبداللہ خان کے نام کے ساتھ کیا ہے۔جو اپنے زمانے میں '' شاہباز کوہستان'' کہلاتا تھا۔ اور اٹھارویں صدی میں پہلی دفعہ استعمال ہوا ہے۔اس سے قبل دنیا کی کسی تحریر میں بروہی کا لفظ دیکھنے میں نہیں آیا ہے۔اور خان عبداللہ خان بلوچ پہلا شخص ہے جسے بروہی کہا گیا ہے۔یہ کتاب ''تُحفۃ الکرام'' (فارسی) بخش اوّل، جلد سوئم ہے۔جسے سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد نے شائع کیا ہے۔اِس کے صفحہ نمبر 422 پر خان کا شجرہ نسب اِس طرح تحریر ہے:۔

'' عبداللہ خان بن سمندر خان بلوچ بروہی

زمیندار عمدہ سرحد قندہار۔''

''ہسٹری آف بلوچ ریس اینڈ بلوچستان'' کے مصنّف سردار خان گشکوری نے براہوئی نام کے بارے میں لکھا کہ براہوئی، کردوں کے قبیلہ'' براخوئی'' سے ماخوذ ہے۔لیکن جب اُسے پتہ چلا کہ ایرانی بلوچستان کے کردوں میں موجود براخوئی دراصل بلوچستان کے خطّہ رخشان سے جانے والے براہوئی ہیں اور جن کی ایران میں موجودگی صرف ایک ڈیڑھ صدی سے بھی کم ہے، اور وہاں انہیں محض زبان کے لہجے کی وجہ سے براخوئی کہتے ہیں تو انہوں نے اپنا یہ موقف بدل دیا۔اور لکھا کہ:۔

''نام نہاد لفظ براہوئی، کسی نسلی معنویت کا ہر
گز حامل نہیں ہے بلکہ یہ ایک مقامی نام
ہے جو کسی مخصوص نسل اور اس کے وجود کا
مظہر نہیں ہے۔ یہ اصطلاح نسل کی بجائے
صرف سماجی مقام کو ظاہر کرتی ہے۔''(8)

محولہ بالا مصنّفین و محققین کلّی طور پر براہوئی نام کی وجہ تسمیہ بتانے میں ناکام ہو گئے ہیں۔اور ان کی من گھڑت مفروضات نے انہیں ناقابل اعتبار بنا دیا ہے۔

براہوئی قدامت:

مصنّفین نے براہوئی قبائل کی قدامت کے بارے میں بھی صرف قیاسات سے کام لیا ہے۔ غیر بلوچ اور مقامی مصنّفین نے براہوئی زبان کے حوالے سے براہوئیوں کو قدیم بتایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ براہوئی زبان چونکہ دراوڑی زبانوں کے خاندان سے تعلق رکھتی ہے اس لئے اس کے بولنے والے بھی قدیم دراوڑوں کی نسل سے ہیں۔ اس موقف کے پرچارک مسٹر گریئرسن، ڈبلیو کروک اور پروفیسر رالنسن وغیرہ ہیں۔ جنہوں نے براہوئیوں پر دراوڑ اور دراوڑوں کے ساتھ آنے والے لوگ ہونے کا گمان کیا۔ لسانیات کے ماہر مسٹر گریئرسن نے براہوئیوں کو دراوڑ کہہ کر خیال ظاہر کیا کہ شمالی ہندوستان کے قدیم باشندے دراوڑ تھے جو کہ آریاؤں کی آمد سے قبل اس خطے کے مالک تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب آریاؤں نے ہندوستان پر حملہ کیا تو دراوڑ لوگ جنوب کی طرف ہجرت کر گئے اور ان کا ایک مختصر سا حصّہ بلوچستان کے پہاڑوں میں رہ گیا۔ اور براہوئی بولنے والے انہی دراوڑوں کی اولاد ہیں۔ چونکہ دراوڑ تمام کمینے اور کم اصل اور بدشکل تھے اس لئے اسی مغالطے نے بعض انگریز مصنّفین کو بلا کسی تحقیق کے لکھنے پر مجبور کر دیا کہ براہوئی کمینے اور کم اصل ہیں۔ بعض نے اس موقف کو قدرے ڈھکے چھپے الفاظ میں بیان کیا۔ جیسے کہ ''اے لائف ہسٹری آف اے براہوئی'' کے صفحہ ۱۷۶ پر اس کا اظہار یوں کیا گیا:۔

''وہ پٹھان اور بلوچ کی اپنے سے نسلی برتری کو تسلیم کرتے ہیں۔''

چونکہ ڈینس برے نے صرف براہوئی زبان کو دراوڑی السنہ سے قرار دیا تھا اس لئے اُس نے اِس کی وضاحت بھی کی اور لکھا کہ براہوئیوں میں نسلی کم تری کا احساس ان کی زبان ہے جسے بقول اُس کے وہ یعنی براہوئی لوگ ''عام طور پر غیر شریفانہ سمجھتے ہیں۔''(9)

ڈبلیو۔ کروک ''دی نیسٹیوز آف نارتھرن انڈیا'' میں لکھتے ہیں کہ یا تو براہوئی شمال مغربی سمت سے آنے والے مہاجرین (دراوڑ) کے آخری محافظین سے رہے ہیں یا پھر آگے جانے والے ان محافظین سے ہیں جو جنوب سے چلے ہوں گے۔ اسی طرح رالنسن کا کہنا ہے کہ کسی زمانے میں جب عراق سے دراوڑوں کو نکال باہر کیا گیا تو وہ مکران سے گزرتے ہوں گے جہاں کے پہاڑوں میں وہ اپنے طاقتور نمائندے چھوڑ گئے تھے۔ اگر رالنسن سے اتفاق کیا جائے تو براہوئی زبان کو مکران کے پہاڑی لوگوں میں موجود ہونا چاہئیے تھا جو نہیں ہے۔

''دی پیپلز آف پاکستان'' کے مصنّف یو، وی۔ گینکو وسکی نے انہیں دراوڑی زبان بولنے والوں کے ما باقیات لکھا ہے۔ جس سے کسی نسل کا اظہار نہیں ہوتا اور نہ اس سے براہوئی قدامت کے سلسلے میں کسی زمانے یا سنہ کا پتہ چل سکتا ہے۔ اسی موقف کو ''بلوچستان اینڈ پشتون کوئسچن'' کے مصنّف ڈاکٹر فیروز احمد، ''ہسٹری آف سندھ، عرب پیریڈ'' کے ممتاز حسین پٹھان ''قدیم سندھ'' کے بیرومل اڈوانی وغیرہا نے اپنایا۔ لیکن کوئی حتمی رائے نہیں دے سکے اور نہ براہوئی قدامت کو کسی مخصوص زمانے سے منسلک کر سکے۔ مذکورہ تمام مصنّفین و محققین جو براہوئی پر دراوڑ نسل ہونے کا گمان کر چکے ہیں۔ دراصل اس موقف کے حامی ہیں کہ براہوئی زبان دراوڑی السنہ سے ہے اور وہ زبان کی بنیاد پر براہوئی بولنے والوں کو دراوڑ قرار دے کر انہیں قدیم نسل

پارہ بتانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ موجودہ وقت میں براہوئی بولنے والوں کا ایک بھی گھرانہ اتنا قدیم ثابت نہیں ہوتا جتنا کہ وہ اسے زبان کے حوالہ سے ماضی میں لے جانا چاہتے ہیں۔ بعض محقق اس پس منظر کو سمجھ چکے تھے اور انہوں نے اس پر کافی بحث بھی کی ہے۔ جیسے کہ ''رپورٹ آن اے لینگویسٹک مشن ٹو نارتھ ویسٹرن انڈیا'' میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ برائیوں کا سماجی ڈھانچہ کسی بھی طور پر دراوڑوں سے مماثلت نہیں رکھتا۔ اسی طرح جی۔ اے۔ ویتھن اور ایل۔ ایچ او گیرٹ نے اپنی مشترکہ تالیف ''اے ہسٹری آف انڈیا'' میں براہوئیوں کو دراوڑ تسلیم کرنے سے انکار کیا اور اس زبان کو بھی دراوڑی السنہ سے نہیں مانا بلکہ اس زبان کی دراوڑی السنہ کے چند الفاظ سے مماثلت کو حادثاتی بتایا ہے (10)۔ بالکل اسی طرح این۔ ایم۔ بلمو ریا، ہولڈ سرئس اور دیگر کئی محققین نے دراوڑی نظریہ سے اتفاق نہیں کیا ہے۔ اور واضح کیا ہے کہ یہ ایک مفروضہ اور غلط فہمی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ انہوں نے وضاحت سے لکھا کہ نہ براہوئیوں کا جنوبی ہندوستان کی نسلوں سے اور خاص کر دراوڑوں سے کوئی سماجی مماثلت ہے، نہ جسمانی ساخت میں یکسانیت ہے اور نہ کہ براہوئی زبان دراوڑی زبانوں سے ہے۔ (بحوالہ تاریخ مغربی پاکستان)

اسی تاریخ کے حوالے سے پروفیسر راپسن نے اپنے تحقیق کا نچھوڑ ان الفاظ میں پیش کیا:۔

> ''بروہی قوم جسے دراوڑی یادگار ٹھہرایا گیا ہے
> زیادہ تر ایرانی الاصل ہے۔ اور اِن دنوں جو
> لوگ بروہی زبان بولتے ہیں۔ ان میں
> جدگال، کُردوں اور بلوچوں کی اکثریت ہے
> اور ان میں کوئی دراوڑی نسل کا نہیں ہے۔''

پروفیسر راپسن نے براہوئیوں کو تین گروہوں بتا کر انہیں سو فیصد بلوچ لکھا ہے۔ اسی نظریے سے ملتا جلتا خیال گزیٹر کے مرتّب کنندگاں نے بھی اپنی تحقیق کے بعد پیش کیا ہے:۔

''ایک افغان قبیلہ کی طرح نسلی اعتبار سے
قبیلہ نہیں ہے بلکہ اِس کی بنیاد باہمی غمی خوشی
میں شرکت پر مبنی ہے۔ مختلف النسل، لوگوں
مثلاً افغان، بلوچ، جاٹ اور آزاد کردہ غلاموں
پر مشتمل ایک گروہ ہے۔''(11)

اسی طرح ''تاریخ ادبیات مسلمانان ہندو پاک'' میں بھی براہوئیوں کو مختلف ذاتوں کا ملغوبہ بتایا گیا ہے اور لکھا ہے براہوئیوں کا ایک بھی قبیلہ ایسا نہیں ہے جو براہوئی کے نام سے جانا جاتا ہو۔

ڈینس برے کا بیان براہوئی زبان کے بارے میں پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔ جنہوں نے براہوئی زبان کو دراوڑی السنہ میں شُمار کیا ہے۔ انگریز محققین میں سے اس نے براہوئی موضوع پر سب سے زیادہ کام کیا اور اِس موضوع پر کئی اہم کتابیں چھوڑ گئے ہیں۔ جن میں ''دی براہوئی لینگویج''، ''اے لائف ہسٹری آف اے براہوئی''، ''دی براہوئی لینگویج، انٹروڈکشن اینڈ گرائمر'' اہم کتابیں ہیں۔ ان کتابوں میں انہوں نے براہوئی قبائل، ان کا رہن سہن، ان کی نفسیات، جسمانی خدوخال اور ان کی روایات اور زبان پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اِس طویل بحث کے نتیجے میں انہوں نے درج نتائج اخذ کئے:۔

''اگر یہ سخت کوش سرحدی قبائل اپنی زبان کی

طرح دراوڑ ہیں تب تو یہ کہیں بھی دراوڑوں
سے مماثلت نہیں رکھتے۔'' (12)

''براہوئی کسی بھی جسمانی خدوخال میں
دراوڑوں سے مشابہت نہیں رکھتا۔'' (ایضاً)

''براہوئی مشرق وسطیٰ اور وسطی ایشیا سے آنے
والے ہو سکتے ہیں لیکن دراوڑ نہیں۔ ممکن ہے
کہ انہوں نے براہوئی زبان بول چال میں
اپنالی ہو جو اُس زمانے میں شاید بلوچستان میں
بولی جانے والی ایک زبان ہو۔''

''دراوڑی زبان بولنے کا مطلب دراوڑوں
کے خون سے ہونا نہیں۔''

اور یہ کہ:۔

''براہوئی زبان، براہوئی چیستان کو حل
کرنے میں فیل ہو سکتا ہے۔'' (13)

ڈینس برے کی طرح اکثر محققین براہوئیوں کو غیر مقامی اور غیر بلوچ نہیں سمجھتے اگر چہ وہ حتمی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے مختلف خیال آرائیاں کرتے ہیں۔ اور بے سروپا مفروضات پر بحث کرتے ہیں۔ ان محققین میں جو براہوئیوں کو بلوچ نسل اور بلوچ خون سمجھتے ہیں ''دی بیک گراؤنڈ آف پاکستان اینڈ اِٹس پیپلز'' کے مصنّف احمد عبداللہ، ''سٹڈیز اِن براہوئی ہسٹری'' کے ناصر بروہی، ''پٹھان اینڈ بلوچ'' کے مسٹر ایڈورڈ آلیور،

''پاکستان ویسٹرن بارڈر لینڈ'' کے اینسلی۔ ٹی۔ ایمبری۔ ''تاریخ سندھ، جیسے کہ اس کے اپنے مورّخوں نے بیان کیا'' کے جان ڈوسن، ''سیستان'' کے جی۔ پی۔ ٹیٹ، سندھی تاریخ ''جنت السندھ'' کے رحیمداد مولائی شیدائی اور سندھی محقق ڈاکٹر نبی بخش بلوچ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

بلوچ مورّخ میر گل خان نصیر نے اپنے سابقہ خیالات کے برعکس براہوئی قدامت کے بارے میں اپنی تصنیف ''کوچ و بلوچ'' میں تحریر کیا ہے:۔

> ''انگریزوں کی عملداری (1876ء) سے قبل کے تمام شاہی مخطوطات، مراسلات، سندات، فرامین و احکامات میں کہیں بھی براہوئی کا نام دیکھنے میں نہیں آتا۔''
>
> ''ہمایوں، اکبر اور اورنگزیب جیسے با عظمت شہنشاہوں اور نادر شاہ افشار اور احمد شاہ ابدالی جیسے فاتحین کی حکومتوں اور حملوں کے دوران جبکہ اس سرزمین (موجودہ بلوچستان) کے خاص واقعات سے ان کا خصوصی تعلق رہا ہے براہوئی کا نام کہیں نظر نہیں آتا۔''

بلوچستان میں براہوئی قبائل کی قدامت کے بارے میں بھی اکثر محققین اور مورّخین اور تجزیہ نگار یہی رائے رکھتے ہیں کہ یہ ایک جدید قبیلہ ہے اور قدیم تواریخ میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ درحقیقت براہوئی اصل و نسل اور براہوئی زبان دو الگ الگ موضوع ہیں اور تاریخی طور پر ایک دوسرے سے قطعی مختلف عنوان ہیں۔ اور انہیں الگ الگ موضوع مان کر ہی بحث کی جاسکتی ہے۔ اور حقیقت یہی ہے کہ محققین نے دونوں موضوعات کو ایک موضوع سمجھ کر بحث کی ہے۔ جس سے براہوئی تاریخ ایک

پیچیدہ مسئلہ بن گیا ہے۔ زبان چاہے کوئی بھی ہو وہ قومی اور قبیلائی سے زیادہ جغرافیائی ہوتی ہے اور کسی قوم کے وارد ہونے سے پہلے اپنی سرزمین پر موجود ہوتی ہے۔ اور آہستہ آہستہ نئے آبادکار کو اپنا لیتی ہے۔ براہوئی زبان بھی براہوئی قبائل کی تشکیل سے قبل علاقے میں انتہائی پسماندہ حالت میں توریہ اور تورَنک زبان کہلاتی رہی ہے۔ روایتاً یہ پہلے تُرک نسل کے گُجّر گروہ کے گھروں میں داخل ہوگئی تھی۔ اور پھر انتہائی سست رفتاری سے کرد بلوچوں کے گھروں تک پہنچ گئی اور اس کا نام کردوں کی نسبت سے کُردی بن گئی۔ اور بعض پہاڑی علاقوں میں اب بھی اسے کردی کہتے ہیں (14)۔ اس نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ کُردوں نے یہ زبان اپنا لی تھی لیکن کُرد قبائل نے یہ زبان کس دور میں اپنا لی، اُس دور یا زمانے کا تعیّن کرنا بھی ایک نہایت ہی مُشکل کام ہے۔ کیوں کہ لفظ ''کُردی'' کے بھی دو ادوار رہے ہیں۔ پہلے دور کی کُردی، بلوچی زبان کی مشرقی لہجے کی زبان کے لئے مستعمل رہا ہے۔ جسے بعد میں رند قبائل اور اُس کے اتحادیوں نے اپنایا۔ یہ روایت موجود ہے کہ رندوں کی آمد کے وقت بلوچوں کی مری، بگٹی اور مزاری قبیلے یہی کُردی زبان بولنے کی بنا پر ''کُردگال'' کہلاتے رہے ہیں۔ لفظ ''کُردگال'' کے معنی ''کردوں کی زبان بولنے والا'' کے ہیں۔ اصطلاح ''کردگال'' بھی دو ادوار میں مستعمل رہا ہے۔ ایسے اندازہ ہوتا ہے کہ پندرھویں صدی کی شروعات میں لفظ توریہ اور تورک (TORAK) کا استعمال ختم ہو چکا تھا۔ اور یہ زبان کُرد قبائل کے گھروں میں داخل ہو رہی تھی اور اس کا نام بھی کُردوں کی نسبت سے ''کُردی'' ہو رہا تھا۔ سترھویں صدی عیسوی سے لیکر اٹھارھویں صدی عیسوی کے وسط تک یہ زبان کُردی کے نام سے مشہور رہا ہے۔ اور اس کے بولنے والے پھر دوسری مرتبہ ''کُردگال'' کہلائے۔ یعنی کردوں کی زبان بولنے والے۔ معلوم ہوا کہ کُرد قبائل بلوچی کی مشرقی

بولی چھوڑ چکے تھے اور موجودہ براہوئی زبان اپنا چکے تھے اور اِسے اپنے قبیلے کا نام دے چکے تھے۔ ابھی تک براہوئی قبائل کی تشکیل نہیں ہوئی تھی اور لفظ ''براہوئی'' یا ''بروہی'' وجود نہیں رکھتا تھا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ 1960ء کی پہلی دہائی تک خضدار کے جنوبی اور مغربی علاقوں (اورناچ، نال، مشکے، آواراں اور لسبیلہ وغیرہ) میں اس زبان کو براہوئی کے نام سے تیس فیصد لوگ بھی نہیں جانتے تھے اور وہ اُسے ''کُردی'' کہتے تھے۔ خضدار کے اکثر بوڑھے اسے کُردی کہتے تھے لیکن براہوئی نام بڑی تیزی سے اس کی جگہ لے رہا تھا۔ یہ اس چیز کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ نام ''براہوئی'' زیادہ قدیم نہیں ہے۔ رائے بہادر ہتورام نے اپنی تاریخ بلوچستان میں براہوئیوں کی علاقے میں موجودگی کو 1907ء سے تقریباً تین سو سال بتایا ہے۔ لیکن اُس کے پاس ثبوت کے لئے کوئی سَند نہیں ہے۔ ہتورام کے علاوہ بھی اکثر مصنّفین کو قدیم تواریخ میں لفظ ''براہوئی'' یا ''بروہی'' کا سُراغ نہیں ملا ہے اور وہ اس بات پر متفق ہیں کہ براہوئی نام کسی قدیم تاریخ میں کہیں مذکورہ نہیں ہے اور یہ ایک جدید نام ہے۔ ''ہسٹری آف بلوچ ریس اینڈ بلوچستان'' کے صفحہ 543 پر سردار خان گشکوری لکھتے ہیں کہ:۔

> ''بلوچستان کی قدیم روایتوں میں براہوئی نام
> کہیں نہیں ملتا۔ اور ان کی تاریخ یہ ہے کہ ان
> کی کوئی تاریخ نہیں ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ براہوئی موضوع پر کہیں بھی کوئی ماخذ موجود نہیں ہے۔ ما سوائے قدیم بلوچی رزمیہ شاعری میں محفوظ ''براہو جدگال جنگ ءِ شعر'' (براہو جدگال جنگ کی منظوم داستان) کے جو اس تاریخی موضوع کو تسلّی بخش حد تک احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور سردار خان گشکوری کی معلومات قدیم روایتوں اور قدیم رزمیہ شاعری

سے متعلق نہایت تُشنہ ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ یہ ریمارکس کبھی بھی تحریر نہ کرتے اور براہوئی تاریخ کے بارے میں ایک جاہلانہ اور عامیانہ خیال کا اظہار کبھی بھی نہ کرتے۔ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ قدیم بلوچی رزمیہ شاعری نے براہوئی تاریخ کو مکمل طور پر محفوظ کر دیا ہے جو ہمارے زیر بحث ہے۔

اِشاریہ:۔

1۔ ''تاریخ بلوچستان''، تلخیص وتعارف از سلیم اختر صفحہ ۱۰۶۔

2۔ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ صفحات ۱۳۹، ۱۴۰۔

3۔ مندرج اشعار میں ''کردو بلوچ''، ''کوچ و بلوچ'' کی طرح بلوچی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ بلوچی میں ''و'' جو او (O) کی آواز دیتا ہے بطور فارسی کے زیر (ِ) کے استعمال ہوتا ہے جس کے معنی کا، کے، کی اور والا کے ہوتے ہیں۔ تاریخی کتب میں دونوں مذکورہ بلوچ قبیلوں کا نام بلوچی طرز میں ''و'' کے ساتھ ملتا ہے جن کے معنی کوچ بلوچ اور کُرد بلوچ کے بنتے ہیں نہ کہ ''کوچ اور بلوچ'' اور ''کُرد اور بلوچ'' کے جیسے کہ اکثر مصنّفین نے بشمول میر گل خان کے فارسی رسم میں ترجمہ کر کے انہیں دو دو قبیلے لکھے ہیں۔ بلوچی کا مذکورہ واو (و) بطور O آواز کے آج بھی کا، کے، کی اور سے کے معنوں میں مستعمل ہے۔ مثال کے طور پر فارسی الفاظ خِرنر، خوابِ خرگوش، شاہِ قلندر، شاہِ جہاں، چشمِ ظاہر وغیرہ کو بلوچی میں حرونر، واب و کرگوشک، شاہ وقلندر، شاہ و جہاں، چمّ وظاہر بولا جاتا ہے۔ چند دیگر مثالیں ملاحظہ کیجئے:۔

راہ وراستی (سچائی کی راہ)، شوانگ ومال (رمہ کا چرواہا)، کمبر و سبزیں سگار (ہرے تلوار والا کمبر)، روچ وراحمی (روشن دن یعنی دن دھاڑے)، چدو ساری (اِس سے قبل)، ماہ ونوک (ماہِ نو)، قوم وقہار (قوم قہار)، مُرید وپُل گُد (خوشپوش مرید)، ناچ وکَشکی (کندھوں کو ہلانے والی ناچ)، بڈّ وبختاں (خوش نصیبی پرسوار)، رنگ ودروشم (چہرے کا رنگ)، سرد ومُرد (مردے کی مانند ٹھنڈا)، ہار وہرّنگ (گرجتے بادلوں کا سیلاب)، ارس و اولُمب (لڑی دار آنسو)، گِرّو پانچ (بازو یا پروں سے گھسیٹنا)، بَند و وت (خود بخود)، دست و وت (اپنے ہاتھ سے)، سکّی و سوری (دلہن کا دُکھ۔غمِ شادی)، بڈّ وسر (سر پر کا بوجھ)، ڈاہ و لشکر (لشکر کا چیلنج)، اور دیگر سینکڑوں الفاظ۔

بالکل اِسی طرز پر کوچ وبلوچ، کرد وبلوچ کا استعمال ہوا ہے۔جس طرح کیچ ومکران سے مراد ''مکران کا کیچ''، شہر وسیستان سے مراد ''سیستان کا شہر ہے اسی طرز پر کوچ وبلوچ سے مراد ''بلوچ (قوم) کا کوچ (قبیلہ)، اور ''کرد وبلوچ'' سے مراد ''بلوچ (قوم) کا کرد قبیلہ ہے۔جو لکھنے والے ان الفاظ سے مراد ''کوچ اور بلوچ'' اور ''کرد اور بلوچ'' لیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔انہیں ان الفاظ کا بلوچی طرز استعمال کا ادراک نہیں رہا ہے۔

4۔''بلوچ قوم اور اُس کی تاریخ'' از مولانا نور احمد خان فریدی صفحہ نمبر 59

5۔ایضاً صفحہ نمبر 60

6۔ایضاً صفحہ نمبر 61

7۔''ازمنہ بلوچ'' از سردار خان گشکوری۔

8۔بلوچ قوم کی تاریخ جلد اوّل صفحہ نمبر 587

9۔''اے لائف ہسٹری آف اے براہوئی'' صفحہ نمبر 391

10۔صفحات نمبر 10 اور 11

11۔ ’’بلوچستان تھرو دی ایجز‘‘ حصّہ دوئم صفحہ نمبر 391

12۔ ’’دی براہوئی لینگویج‘‘ حصّہ دوئم صفحہ نمبر 32

13۔ایضاً صفحات نمبر 33 تا 35

14۔تورنک یا توریہ زبان کا روایتی تذکرہ اِکّا دُکّا پہاڑی کچھریوں میں ظاہر ہوا ہے لیکن کسی نے یہ نہیں بتایا کہ کُردی نام پانے سے قبل بھی علاوہ تورنک کے اس کا کوئی اور نام تھا۔البتہ یہ کہتے ہیں کہ کُردوں کو یہ زبان گجرّوں کے توسط سے ملا ہے۔ اِس بات سے دو تین موقف کے ثبوت مل جاتے ہیں۔ایک یہ کہ اِس کے قدیم بولنے والوں نے میل جول اور رشتوں ناطوں میں یہ زبان بلوچستان میں آباد قدیم تُرک قبیلوں یا طائفوں کو منتقل کیا جن میں وہ کُرد بلوچ گھرانے بھی شامل ہوں گے جو تُرکوں کے ساتھ رہتے تھے۔زیادہ ترک جھلاوان کے کوہستان میں بودوباش رکھتے تھے ان کا گروہ کثیر گُجرّ قبیلے ہوتے تھے اور کثیر النفر قبیلہ ’’تور‘‘ ہوتا تھا۔اسی قبیلہ نے خضدار اور گردونواح کو ’’تُوران‘‘ (تور کی جمع یعنی تُور لوگ) کا نام دیا تھا۔جسے تصنیف ’’تُرکی۔نئے عالمی پس منظر میں‘‘ کے مولّف رائے شکیل اختر،تُرک دانشور ضیا گوکلپ (1924۔1875) کے حوالہ سے ’’ترکوں کی عظیم مملکت‘‘ لکھتا ہے (صفحہ 23)۔خضدار مرکزیت والا توران قدیم زمانے کے وسیع وعریض توران سے ایک الگ ملک رہا ہے جو بلوچستان کے اِس خطّے میں ترکوں کی آخری نشانی رہ گئی تھی جس میں کئی ترک قبیلے بودوباش رکھتے تھے جنکی یادگاریں ان کے مواضع کے ناموں کی صورت میں باقی ہیں مثلاً بیلا،کھٹان گُجرّ،سوراب،زاوہ،مُولا،کُھٹانہ گُجرّ،شانہ (اصل نام شحنہ)،گئور،کھڈ گُجرّ،بینچہ، مِشک،نیچارہ،گُرگٹ (اصل نام قورقورد)،دوگن،زالگ،ھلیفت،گُرک،اگور وغیرہ

15۔ملاحظہ کیجئے ’’اخبار الابرار‘‘ از آخوند محمد صدیق کا اردو ترجمہ بنام تاریخ خوانین قلات از میر گل خان نصیر میں سلسلہ نسب احمدزئی خوانین قلات ص 21،22۔

براہو جدگال جنگ

جیسے کہ نام سے ظاہر ہے مذکورہ قبائلی لڑائی جہلاوان میں براہو میروانیوں اور جدگال (1) قبائل کے مابین متنازعہ اراضیات اور چراگاہوں پر لڑی گئی تھی۔ یہ چراگاہیں اور اراضیات زیادہ تر بیلہ، کولواہ، مشکئے، وڈھ تا سوراب کے درمیانی علاقوں میں جگہ جگہ واقع تھیں۔ جن پر ان کے مالکان یا دعویدار زمانوں سے بستے چلے آرہے تھے۔ لیکن بعض اوقات بارشوں کی کمی سے گھاس ناپید ہوتا تھا، پانی کے جوہڑ خشک ہو جاتے تھے تو مالداروں کو نئی چراگاہیں اور پانی کی تلاش میں خانہ بدوشی اختیار کرنی پڑتی تھی۔ اسی خانہ بدوشی کے نتیجے میں کوئی دوسرا گروہ پہلے والے کے مسکن پر ڈیرا ڈال دیتا تھا۔ اِس طرح اراضیات پر قبضہ ہوتا تھا اور پھر تنازعات سر اٹھاتے تھے۔ اور نوبت جنگ وجدل تک پہنچتا تھا۔

روایات اور آثار اِس چیز کی گواہی دیتے ہیں کہ جب میروانی قبیلہ کے گروہ مکران سے کولواہ اور گردونواح میں پہنچ چکے تھے تو خطّے میں بیسویں جاٹ طائفے سکونت رکھتے تھے۔ جو سندھی زبان بولتے تھے۔ دونوں طرف کے گروہ اپنے ریوڑوں کے ساتھ ہوتے تھے اور مال چرائی ہی ان کا ذریعہ روزگار ہوتا تھا۔ جب یہ لوگ ایک دوسرے کے چراگاہوں میں مداخلت کرتے تھے تو تنازعہ اٹھتا تھا۔ اِس طرح ان میں کبھی بھی ایک دوسرے کے ساتھ رواداری اختیار کرنے کا جذبہ پرورش نہیں پاتا تھا۔ اِس کے برخلاف وہ مخالف کو زیر کرنے کے لئے اپنی قوت بڑھاتے رہتے تھے اور وقتاً فوقتاً ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے تھے۔

کولواہ کے خطّے میں میروانیوں کی پہلی لڑائی رندوں کے ساتھ مراستان (2) کے چراگاہوں پر لڑی گئی۔ جس میں رندوں کو کافی نقصان (جانی ومالی) اٹھانا پڑا تھا۔ اِس لڑائی میں کہدائی قبیلہ نے رندوں کا ساتھ دیا تھا۔ میروانیوں کا سردار اور کماندار میران عرف میرو براہو تھا۔ جس میں اُس کا عزیز سنجر براہو بھی شامل تھا۔ اس لڑائی کے بارے میں بلوچی کے معروف شاعر مُلّا فاضل کے اشعار میں قدرے تذکرہ ملتا ہے:۔

"سنجر سرا اَت مرد کار
میرو میان ءِ ذوالفقار
چمّان گندیت نابکار
بُرتے شمئے دست ءِ شکار
ماں چمّگ ءُ دشتاں میار
مُرت انت مراستانی یلیں
کہدائی شان شیر دِلیں
رند گوں کمان ءُ جابہ آں
کاٹار ءُ پُلیں اسپراں
کپت انت شہیدی ماں پڑاں
گڈّ اِش نہ کُت جنگ ءُ چہور
میر واڑیاں دات انت ڈھور
براہیم ءِ چمّگ بیتہ سور

شاعر کہتا ہے کہ میرو اور سنجر کے لشکروں نے میدانوں اور ندی نالوں میں مراستانی رندوں کو شکست سے دو چار کیا جن کی تلواریں اور خوبصورت ڈھالیں جگہ جگہ

بکھری پڑی تھیں اور لاشوں کے پُشتے لگ چکے تھے، قبیلہ کہدائی کے بڑے سپوت اِس جنگ میں تہہ تیغ ہوئے۔ میرواڑیوں نے ان کی لاشوں کا ڈھیر لگا دیا تھا جس کے بعد رندوں نے کبھی لڑائی کا نام نہیں لیا، براہیم کی نسل نے خونی انقلاب برپا کیا تھا۔ اِس لڑائی کا دوسرا مرحلہ وڈھ میں باڈری کی اراضیات پر لڑی گئی تھی جہاں پر جدگالوں اور مینگل رندوں کا قبضہ تھا اور میروانی کا ان مقبوضات پر دعویٰ تھا۔ اِس لڑائی میں جدگالوں کے علاوہ مینگل شخصیت شاہی رند مقتول ہوا (3)۔

یہاں ہم یہ بتانا بھول گئے کہ مراستان کی لڑائی سے قبل علاقہ مشکئے میں میروانی اور پروار گجّر بڑی لڑائی لڑ چکے تھے۔ جس کی کمان میر حسن دوئم کے ہاتھ میں تھی جس نے میروزئی اتحادیہ بنائی اور پرواروں کو ذلّت آمیز شکست سے دوچار کیا تھا۔ اِسی میروزئی اتحادیہ نے پھر وسیع تر شکل میں میروانی کی تشکیل کی۔

چونکہ میروانی قبیلہ کے گاؤں جگہ جگہ پھیلے ہوئے تھے جو جاٹ اور جدگال قبائل میں گھرے ہوتے تھے۔ ان کے دو مضبوط مراکز تھے جن میں ایک مشکئے اور دوسرا سوراب میں واقع تھا دونوں مراکز سردار گھرانہ براہو کے ماتحت تھے۔ وڈھ کی لڑائی کے نتیجے میں سردار میرو براہو کو شاہی رند کے انتقام میں قبیلہ رئیس توک کے محمد (جدّامجد محمدزئی) کے ذریعہ قتل کیا جا چکا تھا۔ جس کے بعد قبیلہ کی سرداری اُس کے بیٹے میر عمر براہو کے پاس تھی جو سوراب کے نغاڑ میں رہتا تھا جہاں پر ایک قدیم تُرک قلعہ ان کے قبضے میں تھا (4)۔ قرب وجوار میں جدگالوں کی آبادیاں بھی تھیں جن کے درمیان وقتاً فوقتاً جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ جن میں اکثر جدگال جانی ومالی نقصانات سے دوچار رہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے خفیہ طور پر لڑنے کی منصوبہ بندی کی اور لس بیلہ، خضدار، کچھی اور ملحقہ علاقوں سے انہوں نے افرادی قوت جمع کی اور ایک دن اچانک

قلعہ نغاڑ پر حملہ کر دیا۔ میروانی سردار اور عوام دونوں جدگالوں کے حملے کی منصوبہ بندی سے بے خبر تھے اور اس اچانک حملے میں مارے گئے اور شکست کھا گئے۔ میر عمر براہو اپنے بھائی اور کئی عزیزوں کے ہمراہ مقتول ہوئے۔ گھر کی عورتیں جن میں میر عمر کی بیوی مہناز اور اس کا بچہ بجّار شامل تھے ہمسایوں کی پناہ میں گئے تھے۔ اور پھر وہاں سے مہناز اپنے بچے بجّار کو لے کر اپنے خاندان کے پاس پشین چلی گئی۔ وہ پشین کے سیّد گھرانے سے تھی۔ وہاں مہناز نے اٹھارہ سال تک اپنے بیٹے بجّار کو باپ اور قبیلے کا انتقام لینے کے لئے تیار کیا۔ عین جوانی میں میر بجّار لوٹ کر سوراب آیا اور قبیلہ کے معتبرین اور رشتہ داروں کو متحد کر کے آخری فیصلہ کن لڑائی لڑی اور نتیجتاً دونوں قبائل کے متنازعہ علاقوں اور مقبوضات کی حد بندی ہوگئی جو آج تک قائم ہے۔

دوران جنگ کئی جدگال شخصیتیں اور گھرانے اپنے قبیلے اور اتحادیہ سے الگ ہو کر براہوا اتحادیہ میں شامل ہوئے اور اپنے زیر تصرّف مقبوضات کو نہ صرف بچا لیا بلکہ مزید اراضیات بطور جنگی اتحادی کے وصول کر لیا۔ رزمیہ داستان میں ان شخصیتوں اور سرکردہ لوگوں اور ان کے اتحادیوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

اشاریہ:۔

1۔جدگال کوئی نسلی اصطلاح نہیں ہے اور نہ کوئی خاص قبیلہ ہے۔ بلکہ یہ ایک لسانی اصطلاح ہے جو ایک لسانی گروہ کی شناخت کے لئے مروّج ہوا ہے جس میں مختلف الاصل طائفے شامل ہیں۔ بلوچ قومداری نظام میں ان لوگوں یا گروہوں کے لئے لسانی اصطلاح استعمال کی جاتی رہی ہے جن کی نسل تو بلوچ ہے لیکن ان کی زبان بدل گئی ہے اور انہوں نے کسی غیر بلوچ کی زبان اپنالی ہے۔ تاکہ یہ پہچان رہے کہ ان گروہوں یا طائفوں کی نسل غیر بلوچ نہیں ہے۔ وہ بلوچ ملّت ہی سے متعلق ہیں لیکن ان کی زبان غیر بلوچوں کی ہے۔ بنیادی جدگال طائفہ کا اصلی اور قدیمی وطن مغربی بلوچستان کا علاقہ دشتیاری رہا ہے۔ جہاں پر اس کی تشکیل ہوئی اور پھر اس کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ اور ان کی نسل پھیلتی گئی اور ان میں نو وارد بھی داخل ہوتے گئے۔ تب یہ ایک بڑا قبیلہ بن گیا۔ زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ پھر زبان کی تخصیص بھی ختم ہوگئی۔ اور اس کی حیثیت ایک کنفیڈریشن کی بن گئی۔ بنیادی طائفہ جو علاقے کی نسبت سے دشتیاری کہلاتا تھا اپنے کونسلاً ہوت بلوچ کہلاتا رہا ہے۔ جو بعد میں وسیع ہو کر ایک نسل نہیں رہا۔

دشتیاری خود اپنے قبیلائی نام ''جدگال'' کی تاریخی پیرائے میں وضاحت یوں کرتے ہیں:۔

> ''دشتیاری بلوچوں کے ایک گھرانے کے کچھ افراد نے اپنے دو عزیزوں کا قتل کیا۔ خاندان میں سخت کشیدگی پھیلنے کے بعد چار افراد جو براہ راست قتل میں ملّوث تھے علاقہ چھوڑ کر کراچی کے ملیر چلے آئے اور یہیں مقیم ہو گئے۔ یہاں پر ان کے پیچھے اور بھی کئی لوگ آ کر مل گئے۔ کچھ عرصہ بعد یہ لوگ

اندرون سندھ منتقل ہو گئے۔ اور بکھر کے قریب مقیم ہو گئے۔
اُن دنوں بکّھر اور گردونواح پر سومرہ قوم حاکم تھا۔ جن کا سردار
خفیف سومرہ تھا۔ سومروں کے خلاف سوڈھا، جاریجہ اور ہندو
راجپوتوں نے علم بغاوت بلند کیا ہوا تھا۔ اور علاقہ میں کافی
شورش برپا تھا۔ خفیف نے دشتیاری گروہ کے پاس آدمی بھیجے
اور ان کو پیغام دیا کہ تم بلوچ لوگ بہادر اور وفادار ہو۔
میں نے تمہیں اپنی ہمسائیگی میں اسی لئے قبول کیا تھا مجھے
امید رکھنی چاہیے کہ تم لوگ میرے خلاف باغیوں کا ساتھ نہیں
دو گے اور نہ انہیں کبھی پناہ دو گے۔ ان دشتیاری بلوچوں نے
اس چیز کا وعدہ کیا۔ جب باغیوں نے دیکھا کہ دشتیاری، خفیف
سومرو کے حامی اور ساتھی بن چکے ہیں تو انہوں نے کچھ سمّہ
لوگوں کے ذریعہ بلوچوں کے مال مویشیوں پر ہاتھ صاف کیا۔
جس پر بلوچوں نے خفیف سومرو سے شکایت کی۔ خفیف نے
سمّہ چوروں کو پکڑ کر سزا دی۔ یہ سمّہ لوگ علاقہ کچھ سے آئے
ہوئے نوارد تھے اور تازہ تازہ باغیوں سے ملے ہوئے تھے۔
کچھ عرصہ بعد جب خفیف سومرو کی طاقت کمزور پڑ گئی اور سمّوں
نے جام اُنڑ کی سرکردگی میں اقتدار قائم کیا تو دشتیاریوں نے
اپنے مال مویشیاں سمیٹ لیں اور پھر کراچی کے ملّیر چلے
آئے۔ یہ لوگ اندرون سندھ چار پشتوں تک رہے تھے اور
ملّیر واپس ہونے والا گروہ پانچویں پشت سے تھا۔ یہیں سے
کچھ لوگ اپنے خاندان اور جائداد کی تلاش میں واپس دشتیاری

چلے گئے۔ چوں کہ سندھ میں ان کی زبان بدل چکی تھی ورانہوں نے جٹکی (جٹّوں کی زبان یعنی سندھی) زبان اپنا لی تھی اس لئے بلوچوں میں وہ پھر جدگال مشہور ہوئے۔ جس کے بلوچی میں معنی ''جٹوں کی بولی بولنے والے'' کے ہیں۔ واضح ہو کہ بلوچ، سندھیوں کو جٹّ کہتے ہیں۔ چونکہ مغربی بلوچ (ایرانی بلوچستان کے) فارسی اثرات کی وجہ سے ''ٹ'' نہیں بول سکتے اس لئے جٹّ ان کے لہجے میں جتّ اور جدّ بن جاتا ہے۔ اور ''جٹ گال'' کو وہ ''جتگال اور جدگال'' تلفّظ کرتے ہیں۔ اسے غلط العام میں بعض جگہ ''جگدال یا جغدال'' بھی بولا جاتا ہے۔ اس طرح تاریخی لحاظ سے جٹکی یا سندھی بولنے والے بلوچ قبائل نے جدگال کا نام پایا۔ جو آگے چل کر ان کی قبیلائی شناخت بن گیا۔''

مذکورہ دشتیاری لوگ اپنے بنیادی یا مرکزی طائفہ کو نُہمر دی قبیلہ سے ہونے کے ناطے ہوت بلوچ روایت کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ نُہمر دی قوم کی تاریخی نامور شخصیت ''ہوت ابوالفتح بلوچ'' کی نسل سے ہیں:۔

''جنہوں نے قلات بلوچستان کے قلعہ نیچارہ کے اُس وقت کے ایک طاقتور حاکم میرک یا مُورک کو قتل کر کے سیہرائی بلوچوں کو بالادستی دینے میں مدد دی تھی۔ ابوالفتح بلوچ کو بلوچ لوگ نیم نام کر کے ''بُلفت'' کہتے تھے۔ یہی نام پھر اس کی اولاد اور اقرباوغیرہ کی قبیلائی شناخت بنا۔ بُلفت بلوچ نے اپنے والد سردار یوسف نہمر دی کی رضامندی کے برخلاف

> اپنے خاندان کی ایک خوبصورت لونڈی سے شادی رچائی جس پر باپ نے اُسے گھر سے نکال کر جائداد سے عاق کیا۔ بُلفت ناراض ہو کر سندھ کی سرحد کے ساتھ کوہستان کے نُھمر دی بلوچوں میں گیا۔ اور وہیں رہنے لگا۔ کچھ عرصہ رہنے کے بعد قوم کے لوگوں کے طعنے سُن کر جام نگر چلا گیا۔ اور وہاں کے راجہ کے دربار کا نائب مقرر ہوا۔ وہاں پر ایک سمّہ عورت سے شادی کی پھر سمّہ حاکم سے اختلاف کی بنا پر کوٹری کی طرف ہجرت کی اور اپنے قبیلہ کے ساتھ ایک ندی کے کنارے آباد ہو گیا۔ پھر یہ مقام اُس کے قبیلہ کے نام پر بُلفت مشہور ہو گیا۔ جو اب بھی اسی نام سے معروف ہے۔ پھر یہ قبیلہ تمام جدگال قبائل کا مرکزی اور سردار خیل طائفہ بن گیا۔''

یاد رہے کہ جھلاوان کی تاریخی لڑائی اسی طائفہ کی سرکردگی میں میروانی کے خلاف لڑی گئی۔ جس کا مرکزی طائفہ اور سردار گھرانہ سُوراب کے موضع نغاڑ کا ''براہو'' طائفہ تھا۔ جو تاریخ اور عوام الناس میں ''براہو جدگال جنگ'' کے نام سے معروف ہوا۔ تاریخی لحاظ سے جو قبیلے یا طائفے جدگال کہلائے ان میں بُلفت یا سندھی لہجے میں بُرفت، چُھٹہ، موسانی، گُنگہ، باریجہ، جاموٹ، برّہ، سیاہ پھاد، بیزنجہ، ساسولی، مردوئی، رونجھا، دودا، براہمانی وغیرہ شامل ہیں۔ قبائل کے پھیلاؤ اور قبائلی رنجشوں میں اضافے کے ساتھ ساتھ جدگال کو بھی وسیع تر معنوں میں استعمال کیا جانے لگا اور پھر بلوچستان میں ہر اس سندھی بولنے والے کو جدگال کہا گیا جو بلوچستان میں رہتا تھا۔ سندھ میں رہنے والے جٹ یا سندھی کے لئے جدگال کی اصطلاح استعمال نہیں ہوتی بلکہ اُسے جٹ ہی کہا جاتا ہے۔ نیز یہ اصطلاح نسلی معنوں میں مستعمل نہیں ہے۔ واضح ہو کہ بلوچی زبان میں ''گال'' کے معنی ''بولی'' اور بات کے ہیں۔

2۔ کولواہ اور اس کے ملحقہ مغربی ایک خطّے کا قدیم نام مَراستان رہا ہے۔ روایت کے مطابق صدیوں پہلے ایک عربی قبیلہ ''مُرّہ'' اِس خطے میں آباد تھا اور علاقے پر بالادستی رکھتا تھا۔ یہ قبیلہ ایک جنگجو مگر خانہ بدوش قبیلہ تھا جو اِس علاقے میں خانہ بدوشی ترک کر کے جم گیا تھا اور میدانوں میں اپنے اونٹوں کے گلّے چراتا تھا۔ چونکہ وہ ایک وسیع رقبے پر قابض اور بالادست تھا اِس لئے مذکورہ علاقہ اُس قبیلہ کے نام پر ''مراستان'' پڑ گیا تھا۔ جواب بھی ہے لیکن اب وہ مراستان نہیں رہا بلکہ محدود ہو کر ایک چھوٹا سا علاقہ رہ گیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک الگ موضع ''مُرّہ'' اِس قبیلہ کے نام کا ابھی تک موجود ہے دونوں مقامات اِس عرب قبیلہ کی تاریخی نشانیاں رہ گئی ہیں۔

3۔ شاہی نُوحانی رند، شاہی زئی مینگل قبیلہ کا جدّ امجد تھا۔ رخشان کے میدانوں سے رندوں نے جب قلات کی طرف ہجرت کی تو علاقہ ''مین'' سے نوحانی رندوں کا لشکر (گل) نوجوان شاہی رند کی سرکردگی میں شامل تھا جو اپنے رہائشی جگہ ''مین'' کی نسبت سے ''مین گل'' یعنی ''مین کا لشکر'' مشہور ہوا۔ کافی عرصہ بعد یہ لوگ قلات کے دشت گوران سے بہ طرف وڈھ چلے گئے تھے جہاں پر ان سے پہلے میروانی اور جدگال بود و باش رکھتے تھے۔ باڈری کے چراگاہوں اور خشکابہ اراضیات پر دونوں قبیلوں میں لڑائی چڑ گئی جس میں شاہی رند مارا گیا اُس وقت وہ ایک اسّی سالہ بوڑھا تھا جسکی قبیلہ میں کافی سے زیادہ احترام تھا۔

اس قتل نے مینگلوں کو بہت مشتعل کیا وہ میروانیوں سے کسی بڑی شخصیت کو انتقاماً مارنا چاہتے تھے لیکن ان دنوں میروانی سردار میران عرف میرو براہو سوراب کے نغاڑ میں تھا۔ مینگلوں کے لئے میروانی علاقے میں جانا کافی دشوار تھا اِس لئے انہوں نے اعلان کر رکھا تھا کہ جو شخص یا اشخاص میروانی سردار میرو براہو کو قتل کر کے اُس کا سر بطور ثبوت شاہی زئیوں کے پاس لائیگا تو اُسے یا انہیں باڈری کا علاقہ عِوضانے میں دیا جائیگا اور تحفظ کے لئے دو قبیلے دیئے جائیں گے۔ باڈری کا علاقہ جس میں میروانیوں کی مقبوضات بھی

تھیں جو مینگل کے تصرّف میں تھیں، وڈھ علاقے کا تیسرا حصّہ بنتا تھا۔

مینگلوں کے اِس پیشکش پر موضع محمد تاوہ کے قبیلہ رئیس توک کے ایک معتبر تنگو کے جوان بیٹے محمد عرف نوندو نے میرو کو قتل کرنے کی حامی بھر لی اور اپنے دو بھائیوں زرّک اور شاہو سے صلاح و مشورہ کیا۔ پہلے زرّک نے ساتھ دینے کی حامی بھر لی لیکن پھر اس اقدام سے کنارہ کش ہوا۔ محمد نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ سوراب کی راہ لی اور میرو کے شکار کے راستوں کی نگرانی کرتا رہا۔ آخر ایک شام کے اندھیرے میں جب میرو اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ شکار سے واپس نغاڑ کی جانب آرہا تھا تو محمد اور ساتھیوں نے ان پر حملہ کر دیا اور میرو کو قتل کر دیا۔ انہوں نے میرو کا سر کاٹ لیا اور سرداری مُہر والی انگوٹھی کی انگلی کاٹ لی اور دونوں وڈھ جا کر شاہی زئیوں کو پیش کر دیئے۔ شاہی زئیوں نے وعدے کے مطابق باڈری کا علاقہ محمد کو دے دیا اور دو قبیلے شیخ میراجی اور رَمدان زئی ان کی ہمسائیگی میں دیئے جو بطور محافظ کے تھے۔ محمد رئیس توک کا گھرانہ پھر محمد زئی کہلایا جو مینگل کا حصّہ بننے کے بعد محمد زئی مینگل کہلاتا ہے۔

4۔ مقامی روایتوں کے مطابق نغاڑ کا قلعہ تُرکوں کا نو سو سال پُرانا قلعہ تھا جو میروانیوں سے پہلے گُجر قبیلہ کے قبضہ میں تھا۔

براہوجدگال جنگ کی منظوم داستان

بلوچ قوم کا زمانہ قدیم سے یہ خاصہ رہا ہے کہ وہ اپنی اصل ونسل کی تاریخ، قومی روایات، قبائلی وعلاقائی جنگوں کی داستانیں، قبائلی ہجرتیں، آپس کی دشمنیوں اور کشت وخون کے قصّے اور تسخیر مما لک وغیرہ کے واقعات تفصیلی یا جزوی طور پر اپنے قبائلی شاعروں اور داستان گوؤں کے ذریعے محفوظ کرتی اور سینہ بہ سینہ آنے والی نسلوں کو منتقل کرتی رہی ہے۔قدیم بلوچی شاعری اپنی اس تاریخی خصوصیت کی بنا پر ہمعصر زبانوں میں نسبتاً ایک ممتاز مقام کی حامل ہے۔جس کا اعتراف تمام محققین اور مصنّفین کرتے آئے ہیں۔ انگریز اور دیگر ملکی اور غیر ملکی اہل قلم نے بلوچ اور بلوچستان کے موضوعات پر اکثر قدیم بلوچی شاعری ہی سے سند لی ہے۔اور اسی سرچشمہ سے اپنے قلموں کو سیراب کرتے رہے ہیں۔لیکن کتنے افسوس کا مقام ہے کہ خود بلوچ دانشور اور اہل قلم نے اس سرچشمے سے کما حقہ استفادہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔خاص طور پر محققین نے بلوچ تاریخ کے موضوعات کا مطالعہ اس عظیم تاریخی ورثے کی روشنی میں ایمانداری سے نہیں کیا۔اور اِس جرم کی پاداش میں ہمارے حصّے میں وہ تاریخ آئی جس کا تمام تر چہرہ جھوٹے واقعات، من گھڑت کہانیوں اور بے سروپا مفروضوں کے بے رحم ناخنوں سے کھرچ کھرچ کر بگاڑ دیا گیا ہے۔ جسے پھر ہم نے سچّائی کے گوہروں کی موجودگی کے باوجود سجانے اور بنانے کی طرف کبھی توجہ مبذول نہیں کی۔

ہم جس نظم کا تذکرہ کررہے ہیں اس کا نام ''براہو جدگال جنگ ءِ شعر'' یعنی ''براہو اور جدگال کے درمیان لڑی جانے والی رزمیہ منظوم داستان'' ہے۔ جو بے حد دلکش، خوبصورت سادہ تشبیہات اور استعاروں سے مزّین، نہایت پر جوش اور ولولہ انگیز اور عجیب اثر انگیز ہے۔ اس میں جنگ کے دوران بھڑکتے ہوئے جذبات، بل کھاتے ہوئے جنگی جنون، اور دوران جنگ پیش آنے والی مختلف کیفیات کی تصویر کشی بڑی خوبصورتی سے کی گئی ہے۔ رزمیہ داستان کی زبان سلیس، عام فہم اور روان ہے۔ لہجہ مغربی بلوچی ہے جو خوانین قلات کے گھروں میں بولی جانے والی زبان کا رنگ لئے ہوئے ہے۔

اس رزمیہ نظم کا شمار، بلوچی منظوم داستانوں میں طوالت کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر ہوتا ہے۔ پہلی طویل نظم ''نسب نامہ'' کو کہا جاتا ہے جو مکمل طور پر شاید کہیں بھی دستیاب نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کے دو ہزار کے قریب مصرعے رہے ہیں۔ ''براہو جدگال جنگ کی رزمیہ نظم'' کے ہمیں تین سو اٹھاون (358) مصرعے دستیاب ہوئے ہیں۔ جبکہ جھالاوان گزیٹر میں اس نظم کے تین سو بائیس مصرعوں کے تراجم شائع ہوئے ہیں اور اصل نظم گزیٹر پارٹی نے شامل اشاعت نہیں کیا ہے۔ صرف اس کے انگریزی ترجمہ کو ''براہوئی جدگال جنگ'' کے عنوان کے تحت بطور ضمیمہ دوئم کے جگہ دی گئی ہے۔ جبکہ یہ نام ''براہو جدگال جنگ'' ہے نہ کہ ''براہوئی جدگال جنگ''۔

جھلاوان میں اس تاریخی لڑائی کو اس مروّجہ نام کے علاوہ ''میروانی جدگال جنگ'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ تاریخی لڑائی میروانی اور جدگال قبائل کے درمیان متنازعہ چراگاہوں اور دیگر مقبوضات پر لڑی گئی تھی جس کا مرکزی خطّہ جھلاوان کا علاقہ ''سوراب'' تھا جو میروانیوں کے قبضہ میں تھا۔ جس کے موضع ''نغاڑ'' میں اس قبیلہ کے

سردار گھرانہ ''براہو'' کا تاریخی قلعہ تھا۔ جس پر جدگال قبائل نے اچانک بھر پور حملہ کر کے قلعہ کے مکینوں کا قتل عام کیا تھا۔ مقتولین کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے سردار گھرانہ ''براہو'' نے مختلف ادوار میں مختلف سرداروں کی کمانداری میں جدگال آبادیوں پر حملے کئے ۔ چونکہ براہو طائفہ براہ راست جدگال قبیلہ سے متصادم تھا۔ اس لئے مذکورہ لڑائی براہ راست متصادم قبیلوں کی نسبت سے ''براہو جدگال جنگ'' کے نام سے مشہور رہوا۔

براہو جدگال جنگ کی اس طویل منظوم داستان کا شاعر، میروانی قبیلہ کی ایک سرکردہ شخصیت ملک دینار اوّل کو بیان کیا جاتا ہے۔ جس کا تعلق بھی سردار گھرانے سے تھا۔ اور جو بہ نفس نفیس اس جنگ میں شامل تھا۔ نظم میں بعض جگہوں پر دو بدو ہونے والی معرکہ آرائیوں کی منظر کشی سے یقین ہو جاتا ہے کہ شاعر سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ لیکن اس رزمیہ داستان میں کہیں بھی خود شاعر کا نام نہیں آتا۔ اور نہ کہ عوام میں اس کی شہرت ملک دینار کی نسبت سے ہے ۔ چونکہ قدیم بلوچ خانوادے شعر کہنا اپنے لئے عیب اور اپنی ہتک گردانتے تھے اس لئے وہ اپنے ہی کہے ہوئے اشعار کو ڈوموں اور پہلوانوں (پیشہ ور قبائلی شاعروں / گوّیوں) کی زبانی یاد کراتے اور مختلف علاقوں میں پھیلاتے تھے۔ جس سے تاریخی واقعات کی بھر پور اشاعت و شہرت ہوتی تھی۔

مذکورہ براہو جدگال جنگ کی منظوم داستان کو میروانی سرداروں نے سردار گھرانہ براہو کے ایک خاندانی غلام گوشو کے ذریعہ پھیلایا۔ اور اسی لئے عوام الناس میں اس داستان کی شہرت زیادہ تر ''گوشوءِ شعر'' یعنی ''گوشو (۱) کی نظم'' کے نام سے ہے ۔ خود گوشو بھی اپنے بھائی گزّین اور خاندان کے کئی لوگوں کے ہمراہ میروانی کا اتحادی تھا اور ہر معرکے میں شریک تھا۔

یہ منظوم رزمیہ داستان، بلوچ اور بلوچستان کی تاریخ کے حوالے سے بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ سب سے بڑھ کر اس کی اہمیت یہ ہے کہ یہ براہوئی تاریخ کے واحد مستند ماخذ کے طور پر سامنے آئی ہے۔ (براہوئی زبان ایک الگ موضوع ہے)۔ جو پوری براہوئی تاریخ کی عقدہ کشائی کرتی ہے۔ اس تاریخی نظم کے مطالعہ کے بغیر پوری براہوئی تاریخ اندھیرے میں ہے۔ جن اہل قلم نے براہوئی تاریخ کے موضوع پر مفروضوں کا انبار لگایا اور جھوٹ پر جھوٹ گھڑتے اور کتابیں بھرتے رہے۔ اور براہویوں کو ان کی موجودہ زبان کی بنیاد پر دراوڑوں سے جا کر ملایا، اور کہیں انہیں کوچ بلوچ کے فرضی نام ''برز کوہی'' سے جوڑ دیا، اور کہیں انہیں اشکانی نسل کے باقیات لکھا اور پوری براہوئی تاریخ کو مسخ کر کے نہ صرف تاریخ کے طالب علم کو گمراہ کرنے کا جُرم کیا بلکہ اپنے قلم اور علم کو بھی ناقابل اعتبار بنا دیا، ان کے لئے اس منظوم داستان نے اپنی گوہر افشانیوں کو از سرِ نو ترتیب دینے اور اُن سے تائب ہونے کی سبیل پیدا کی ہے۔ یہ تاریخی نظم ان مصنّفین کے منہ پر ایک طمانچہ ہے جنہوں نے لکھا کہ ''قدیم بلوچی شاعری جو مختلف قبائلی ناموں اور ماضی کے قبائلی جھمگٹوں پر کافی روشنی ڈالتی ہیں۔ لیکن براہوئی کے متعلق وہ بالکل گُنگ ہے'' یا جنہوں نے حتمی ریمارکس لکھے کہ ''براہوئی تاریخ سراسر اندھیرے میں ہے'' اور ''ان کی تاریخ یہ ہے کہ ان کی کوئی تاریخ نہیں''۔ ایک نامی گرامی بلوچ اہل قلم نے براہوئیوں کو کُرد بلوچ ثابت کرنے کے لئے ''کُردگال نامک'' کے نام سے چند سال قبل مستونگی فارسی میں ایک جعلی کتاب لکھی اور اُس کا مصنّف خود کی بجائے دوڈھائی سو سال قبل مرے ہوئے ایک مشہور شخص آخوند محمد صالح کو بنایا۔ اور پھر اسی جعلی کتاب کو بنیاد بنا کر چھ جلدوں پر مشتمل اپنی ''تاریخ بلوچ اور بلوچستان'' تصنیف کی اور سارے جھوٹے حوالے اسی کتاب کے دیئے جس میں تمام براہوئی قبائل کو

''کردگال نامک'' کے حوالے سے کُرد بلوچوں سے بتایا۔اور پھر مختلف لوگوں سے اپنی ''تاریخ بلوچستان'' کی تعریف میں اخبارات میں پریس ریلیز چھپوائے جن میں حقیقی تاریخ کا انکشاف کرنے پر موصوف کو مبارک بادیاں پیش کی گئی تھیں۔بعض لوگ چونکہ اپنی دروغ گوئیوں سے قدرتی طور پر ایک اندرونی خلش میں مبتلا ہوجاتے ہیں اس لئے پھر ان سے ایسی حرکتیں سرزد ہوجاتی ہیں کہ جن سے ان کی دروغ گوئیوں کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے۔یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔

آخوند محمد صالح، خان قلات میر سمندر خان بلوچ کے شاہی دربار سے وابستہ تھے اور وکیل کے عہدے پر فائز تھے۔تصنیف ''یادگار تاجپوشی قلات 1032ھ'' کے مصنّف مولوی دین محمد نے خان میر سمندر خان کا عہد حکومت 98-1697ء تا 14-1713ء درج کیا ہے۔آخوند محمد صالح اگرچہ اپنے وقت کے پڑھے لکھے شخص تھے لیکن اُن کے اہل قلم ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔تحریر میں انہوں نے کاغذ کا پُرزہ بھی نہیں چھوڑا ہے۔اگر وہ اہل قلم ہوتا تو سب سے پہلے وہ براہوجد گال جنگ پر لکھتا جو کہ اُس کی زندگی ہی میں لڑی گئی تھی۔جس کا اختتام 1665ء اور 1666ء کے درمیانی شش ماہی میں ہوا تھا۔

آخوند محمد صالح کے نواسوں اور پُشت سے آخوند ملّا محمد صدیق تھے جنہوں نے فارسی میں ایک کتابچہ بنام ''اخبارالابرار'' تحریر کی جو خوانین قلات کے بارے میں ہے۔اِس کتاب میں انہوں نے ایک مفروضہ جنگ مابین میروانی اور رند قبائل کے بارے میں لکھی ہے جس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے۔اِس جنگ کے بارے میں اور براہوئیوں اور رند کرداروں کے متعلق اس کی لکھی ہوئی باتیں تمام تر مفروضے اور گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔اگر ان کے سلف کا آخوند محمد صالح ''کردگال نامک'' یا کوئی اور کتاب

اپنے پیچھے چھوڑتا تو وہ آخوند محمد صدیق کے حصّے میں آتا اور تاریخ خوانین کی صورت میں آخوند محمد صدیق اُس کتاب سے استفادہ کرنے والا پہلا شخص ہوتا اور اُسے ''اخبار الابرار'' میں من گھڑت باتوں پر انحصار نہیں کرنا پڑتا (2) ''براہوجدگال جنگ'' کا نام از خود یہ بتا رہا ہے کہ لڑائی دو قبیلوں ''براہو'' اور جدگال کے درمیان لڑی گئی ہے لیکن آخوند محمد صدیق نے اُسے میروانی اور رندوں کے درمیان لڑائی لکھی جس میں رندوں کے سردار اعظم میر چاکر خان رند کے لشکر کے ہاتھوں قلات پر حملہ اور اُس کے نتیجے میں میروانی سردار میر عمر براہو کا قتل ظاہر کیا گیا۔ سوراب کے اس میروانی سردار کو آخوند نے غلط طور پر قلات کا حاکم اور خان بتایا ہے۔ اسی طرح قلات کے آخری خان بلوچ میر احمد یار خان بلوچ نے چار پانچ کتابیں تحریر کیں لیکن انہوں نے کہیں اور کسی کتاب میں ''کردگال نامک'' کا نام نہیں لیا اور نہ کہ آخوند محمد صالح کی کسی اور تصنیف کا ذکر کیا ہے۔ خان مرحوم نے خود راقم الحروف سے مذکورہ کتاب کے ہونے سے انکار کیا تھا۔ اور کہا تھا کہ اگر ایسی کوئی کتاب موجود ہوتی تو پہلے وہ اس سے استفادہ کرتے اور براہوئی تاریخ کا انکشاف کرتے تھے۔

براہو جدگال جنگ کی منظوم داستان نے تمام مصنّفین کی دروغ گوئیوں اور مفروضوں کی قلعی کھول دی ہے اور حقیقی تاریخ کو آشکار کیا ہے۔ یہ رزمیہ شعری داستان درج ذیل موضوعات کو احاطہ کئے ہوئے ہے:۔

1۔ براہو میروانیوں کی تاریخی شخصیتیں جن سے ان کی تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔

2۔ جدگال قبائل اور ان کے سرکردہ اشخاص۔

3۔ علاقے جہاں سے جدگال لشکر جنگ کے لئے نکلے۔

4۔ براہو میروانیوں کا علاقہ اور ان کا مرکزی مقام۔

5۔ براہو سردار جو مقتول ہوئے۔

6۔لڑائی کا مرکزی مقام۔

7۔قلات کا میروانی سرداروں سے تعلق۔

8۔میروانیوں کی پہلی شکست اور براہو سردار کی بیوہ کا اپنے نابالغ شہزادے کو لیکر فرار ہونا

9۔جوان ہونے پر براہو شہزادے کا جدگالوں سے انتقام لینے کی تیاری اور منصوبہ بندی۔

10۔دوسری طویل لڑائی اور لڑنے کے علاقے۔

11۔ براہو طائفے کا ہمسایہ اور ہم نسل قبیلوں سے لشکروں کی صورت میں امداد طلب کرنا (جنگی سان)۔

12۔ براہو طائفہ کے اتحادی لشکر اور ان کے کماندار۔

13۔جدگالوں کی پسپائی اور شکست اور سرحد کی حد بندی۔

14۔جدگالوں کی مفتوحہ مقبوضات کی اتحادیوں میں تقسیم۔اسی تقسیم کے مطابق آج تک اتحادی قبیلے ان مقبوضات کی مالک ہیں۔

15۔جنگ میں فتح یاب ہونے کے نتیجے میں قلات میں نئے خان کا برسر اقتدار آنا اور قلات کے سابقہ حدود میں توسیع۔

16۔ براہو کے اتحادیوں کا نئے نام ''براہوئی'' سے شہرت پانا۔

17۔ براہوئی قبائل کی پہلی فہرست۔

براہو جدگال جنگ کی رزمیہ شعری داستان مندرجہ بالا موضوعات پر بحث کرنے کے علاوہ دیگر کئی ذیلی موضوعات پر پھیلائے گئے مفروضوں کی تصحیح کرتی ہے۔ آگے ان موضوعات پر ہم نظم کی روشنی میں بحث کرتے جائیں گے۔

اشاریہ:۔

1۔گوشو کا اصل نام ''جامک'' بتایا جاتا ہے۔وہ میروانیوں کا خاندانی غلام گھرانے کا سربراہ تھا اور ایک انتہائی وفادار شخص تھا۔اُسے گوشو اس لئے پکارتے تھے کہ اس کے گوش (بلوچی میں کان) غیر ضروری طور پر لمبے تھے۔زیرِ نظر شعری داستان میں اُس کی لمبی کانوں کو پہاڑی بکریوں کی طرح کے کان کیا گیا ہے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ اُس کے ہاتھوں کی چھ چھ انگلیاں تھیں۔گوشو کا مقبرہ سوراب میں نغاڑ کے قریب لبِ سڑک پر خستہ حالت میں موجود ہے۔ نیز دیکھیں ''منظوم داستان کا خلاصہ'' کا اِشاریہ نمبر 19۔

2۔آخوند ملّا محمد صدیق کی مفروضوں سے بھرپور اِس شاہکار کو تحقیق وجستجو کرنے سے پہلو تہی کرنے والے مصنّفین نے دُھرا دھرا کر سند کا درجہ دیا۔اس کتابچہ کو ''تاریخ بلوچستان'' کے مصنّف لالہ ہتورام نے پوری کی پوری بطور حوالہ چھاپ دیا اور اس کے بعد والے بھی اسی کے مفروضوں کی تشہیر کرتے رہے۔ان مصنّفین میں وہ نامی گرامی لکھاری بھی شامل ہیں جنہوں نے لکھا کہ آخوند کی تحریریں بڑی مشتبہ ہیں اور ان پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا (دیکھیں میر گل خان نصیر کی رائے۔''تاریخ خوانین قلات'' ص نمبر 12)۔''بلوچستان، تاریخ کی روشنی میں'' کے مصنّف ملک سعید نے اسی کتاب کے ص نمبر 784 پر لکھا ہے :

> ''آخوند ملّا محمد صدیق کی تحریریں بڑی مشتبہ ہیں اور ان پر مکمل بھروسہ نہیں کیا جاسکتا'' ''بلوچی رزمیہ داستانیں ملّا محمد صدیق کی تحریروں کی نسبت زیادہ قابل بھروسہ ہیں۔کیونکہ بلوچی شُعراء اس قسم کی نظمیں واقعات کے فوراً بعد مرتّب کیا کرتے تھے اور یہ پُرانی اور سنی سنائی روایات پر مبنی نہیں ہیں'' (ص 794)

یہی مصنّف ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں:۔

''نہ معلوم کن روایات یا دستاویزی حوالوں سے انہوں نے اخبارالابرار لکھی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ان کی تحریریں نقائص سے مبرّا نہیں ہیں سب سے بڑا نقص تو یہ کہ اُس نے اہم واقعات کے وقوع پذیر ہونے کی تاریخ تک نہیں دی ہے جو تاریخ کی جان وتی ہے نیز اُس زمانے کے سماجی حالات کا ذکر تک نہیں کیا ہے جو ملکی سیاست اور فتوحات کے رُخ کو موڑنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں'' ص (782)

متذکرہ بالا اعتراضات کے باوجود ملک صاحب اور میر گل خان نصیر اور دیگر نے انہی کے اخبارالابرار کے حوالوں سے استفادہ کیا اور بطور سند اپنی کتابوں میں پیش کیا جس سے ان کی اپنی تصانیف بے وقعت ہو کر رہ گئی ہیں۔

منظوم داستان کا خلاصہ

یہ رزمیہ داستان سُوراب میں میروانی قبیلہ کے آرام و آسائش سے بھر پور خوشحال دنوں کے تذکرے سے شروع ہوتی ہے جہاں پر قبیلہ کا سردار خیل طائفہ براہو موضع نغاڑ کے میروانی قلعہ میں پُرلطف زندگی کے دن گزار رہا ہے۔ اس زمانہ میں میر عمر براہو ولد میرو (1) قبیلہ کا سردار اور علاقے کا حاکم ہے جو اپنی بیگم بی بی مہناز کے ساتھ قلعہ میں رہائش پذیر ہے جہاں خاندان کے دوسرے لوگ بھی ہیں۔ انہی دنوں میں میر عمر براہو کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا ہے اور اس کا نام بجّار رکھا جاتا ہے۔ لڑکے کو بڑے ناز و نعم میں پالا جاتا ہے جب قدرے بڑا ہوتا ہے تو اُس کو قرآن پڑھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

یہاں سے رزمیہ داستان میر عمر کے گھڑ دوڑ، نشانہ بازی، شکار و سیر کے مشاغل کے علاوہ اُس کی بہادری، لشکر و فوج اور اُس کی شہرت کے تذکرے کرتی ہے اور پھر اُس کے قبیلہ ''براہو'' کی تعریف کرتے ہوئے اُسے ''براہو'' طائفہ کا آہنی باڑ (2) قرار دیتی ہے۔ نظم میں اُسے قریش کے شاہی نسل (3) سے قرار دیا گیا ہے اور اُس کے اجداد میر حسن (4)، میر گہرام (5)، میر براہیم (6) اور میر حمزہ (7) اور عبّاس (8) کا تذکرہ کیا گیا ہے اور پھر کہا گیا ہے کہ ان عظیم تاریخی شخصیتوں کی پُشت سے تشکیل پایا ہوا سردار گھرانہ ''براہو'' کوئی معمولی اور گمنام طائفہ نہیں ہے۔

شاعر یہاں سے قصّہ شروع کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ میر عمر ہر خطرے سے آزاد اور بے خوف تھا کہ اچانک اُسے اطلاع دی گئی کہ حبّ، سارونہ اور بیلہ سے میر

چھٹا جدگال کی سرکردگی میں جدگالوں کے لشکر (9) لس سے لے کر وڈھ اور اورناچ تک براہولوگوں کا قتل عام کرتے ہوئے سوراب تک پہنچ چکے ہیں۔ جن کی مدد کو پآچ، چَکو، ہتّاچی اور مُولا سے شکر جام زئی کی سرکردگی میں مزید لشکر پہنچ گئے ہیں۔ اور سوراب پر حملہ ہونے والا ہے جن کے مقابلہ کے لئے براہولوگ میدان میں نکل پڑے ہیں۔

میرعمر براہو یہ سن کر اپنی جگہ سے اُچھل پڑا اور فوری تیار ہو کر اپنے لوگوں کے ساتھ جدگال لشکر کے ساتھ نبرد آزما ہوا۔ میروانی اور جدگال بڑی غضبنا کی سے کشت و غارتگری کر رہے تھے۔ عین دوران جنگ میرعمر براہو اپنے بھائی قلندر براہو کے ساتھ مارا گیا۔ جدگالوں نے میروانی قلعہ پر قبضہ کر کے غارتگری شروع کی۔ مرد قتل ہوئے اور عورتیں جان بچا کر قلعہ سے نکل بھاگیں۔

اِس قیامت خیز دن کو میرعمر کا بھائی گُرگین (10) وہاں موجود نہیں تھا اور نہ کہ کوہ گرد سماعیل (11) میرعمر کا ساتھ دے سکا۔ قلندر (12) نے وقت سے پہلے اپنی جان کی قربانی دی۔ ہالہ (13) کا بزرگوار اپنے عہد سے سُرخرو ہو چکا تھا۔ بجّار خان کو اس کی ماں بی بی مہناز لے کر نکل بھاگی تھی۔ جو اپنے ''خواجہ'' رشتہ داروں کے پاس پشین چلی گئی۔

یہ داستان مہناز کو سیّدزادی کہتی ہے اور بتاتی ہے کہ وہ اپنے بیٹے بجار خان کے ساتھ وہاں اٹھارہ سال تک رہی۔ جب بجار جوان ہوا تو ایک دن نہایت افسردگی سے اپنی ماں سے اپنے باپ کے قتل اور براہو طائفے اور قبیلہ میروانی کی بربادی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اُسے یہ بُزدلی کی زندگی پسند نہیں ہے۔ وہ ساری زندگی شرمندگی سے نہیں گزار سکتا۔ وہ ہر حال میں اپنے باپ اور عزیزوں اور لوگوں کا انتقام جدگالوں سے لے گا۔ وہ جدگالوں کو سوراب کی سرزمین پر دندناتا ہوا نہیں چھوڑے گا۔ ان کی

لاشوں کے پشتے لگا دے گا یا پھر خود بھی جان دے کر شہید ہوگا۔ وہ اس بات پر نہایت افسردہ ہے کہ اُس کے عزیز اور رشتہ دار بکھر گئے ہیں۔ احمد (14) اور محراب (15) سیوا کے مُلک (قلات) میں ہیں (16) پہاڑوں کا باسی سماعیل پہاڑوں میں ہے۔ مینگل (17) نوشکی کے ندی نالوں کے علاقے میں چلے گئے ہیں۔ گُرگین کو عمر خان کا ساتھ نہ دے سکنے کا افسوس ہے اور ہالہ اور ٹوہو (18) کو میرے باپ کی شہادت کے غم نے توڑ کر رکھ دیا ہے اور عزیز و اقارب شکست خوردہ سے ہو گئے ہیں۔

ملک بجّار کی ماں بی بی ماہناز نے بیٹے کی زبان سے سب کچھ سننے کے بعد کہا کہ اپنی خنجر آبدار سجا اور سوراب کی طرف جا کر کہیں چھپ جاؤ اور اپنے باپ کے ایک وفادار غلام جس کا نام گوشو ہے اُسے تلاش کر کے اُس سے اپنا مدّعا بیان کرو۔ اور گوشو کے مشوروں پر عمل کرو (19) ماہناز نے بیٹے کو گوشو کی نشانیاں بتاتے ہوئے کہا کہ اُس کے کان اور بال پہاڑی بکرے کے کانوں اور بالوں جیسے لمبے ہیں۔ قد میں وہ اپنے ہم عصروں سے زیادہ لمبا ہے۔ اُس کے ہاتھوں کی چھ چھ انگلیاں ہیں۔ یہ نشانیاں دیکھ کر پھر اُس سے راز و نیاز کرو۔

بجّار ماں سے ہدایت لے کر چوری چھپے فقیروں اور جوگیوں کے بھیس میں سوراب پہنچا اور کہیں چھپ کر بیٹھ گیا تا کہ صبح ہوئی۔ اور اُس نے گوشو کو بیلوں کو لئے کھیتوں کی طرف جاتے دیکھا۔ خوب پہچان کر بھاگتا ہوا اُس کی طرف گیا۔ گوشو نے میر عمر براہو کے ملتے جلتے چہرے سے بجّار کو پہچان لیا اور اُس سے روتے ہوئے لپٹ گیا اور اُسکی بلائیں لینے لگا۔

رزمیہ داستان کے مطابق گوشو بجّار کی سوراب میں آمد سے اس کا مدّعا سمجھ چکا تھا۔ دونوں نے دلی دوستوں کی طرح مشورے کئے۔ اور گوشو نے بجّار کو اپنے بھائی

گزّین کی نگہبانی میں قریبی پہاڑیوں میں چھپایا اور اُس کے لئے خورد ونوش کے اسباب مہیا کئے اور خوشی خوشی براہور شتہ داروں کو رازداری سے بجّار کی آمد اور مقصد کی اطلاع دی اور انہیں لڑائی کی تیاری کرنے پر آمادہ کیا۔ جب گوشو کے ذریعہ بجّار کے قریبیوں کو اطلاع ہوگئی۔ تو انہوں نے تمام علاقے میں فرداً فرداً دیگر عزیزوں کو لڑنے کی منصوبہ بندی سے آگاہ کیا۔ اور عزیزوں کو اپنے ہمدردی اور خیر خواہوں کے ساتھ مدد دینے پر آمادہ کیا۔ جنگی جنون اس حد تک پھیل گیا کہ میروانی لوگوں کے علاوہ دور و نزدیک کے ہمسائے قبائل نے بجّار کو مدد دینے کا وعدہ کیا اور فوراً اپنے جنگجو سوراب کی طرف بھیج دیئے۔ اور دُور ونزدیک کے کاشتکار، چرواہے، ساربان، خانہ بدوش سب مسلّح ہو کر سوراب میں جمع ہو گئے۔ اور شادی کا ڈرامہ رچا کر نغاڑ قلعہ کے قرب و جوار میں پہنچے اور مورچے پکڑ لئے اور جدگالوں کے سردار کو قلعہ سے باہر نکلنے کے لئے آواز دی جسے یہ گمان نہیں تھا کہ جنج کی شکل اور ڈھول کی تاپ پہ رقصاں دراصل مسلّح لشکر ہے۔ اُس کا نمائندہ شکّر نامی اپنے لوگوں کے ساتھ نکل کر لشکر کی طرف بڑھا۔ قلعہ کے بالاخانے سے جدگال سردار اس ڈرامے کو دیکھ کر بھانپ گیا تھا اور اپنے لوگوں کو بدمست شرابی کی مانند بڑی رعونت سے لڑنے کی ہدایت دے رہا تھا۔ بجّار نے میروانیوں کو آواز دی جو مورچوں میں چھپے ہوئے تھے۔ میروانیوں نے حملے شروع کئے دونوں طرف سے دشمن اور ان کے اتحادی پہنچ رہے تھے اور ایک حشر سا برپا تھا۔ دشمن ایک دوسرے کو تہہ تیغ کر رہے تھے اور کشتوں کے پُشتے لگ چکے تھے۔ جدگال شکست کھا کر بیلہ اور خضدار کی طرف بھاگنے لگے تھے۔ براہو طائفہ کی سرکردگی میں میروانی اور اس کے اتحادی پہلے مرحلے میں جیت چُکے تھے۔ اور بجّار کے منصوبے کے مطابق اب وہ آگے دیگر جدگالوں پر حملہ کرنے اور علاقہ سے انہیں بیدخل کرنے کی سوچ

رہے تھے۔اس مرحلے کی لڑائی میں نظم کے مطابق درج ذیل اتحادی اپنے مسلح لوگوں یا لشکر کے ساتھ جدگالوں کے خلاف لڑے:۔

1۔گوشو اپنے نغاڑیوں کے ساتھ۔

2۔گوشو کا بھائی گزّین مع عزیز واقرباء کے،

3۔سُہراب اپنے لوگوں کے ساتھ

4۔حاجی سوپک اپنے لشکر کے ہمراہ۔

5۔گواران اپنے لشکر کے ہمراہ۔

6۔صلاحی (سرمستانی) اپنے عزیزوں اور اتحادیوں کے ساتھ

7۔میران اپنے قبیلہ جلمب زئی کی لشکر کے ساتھ۔

8۔حالد کے ہمراہ اُس کے لوگ اور نغاڑیوں کا بھی لشکر تھا۔

9۔گُرگین براہوا اپنے ساتھ لائے ہوئے لشکر کے ہمراہ۔

10۔ٹوہو براہوا اپنے حامیوں کے ساتھ۔

11۔ہالہ قلندرانی اپنے حامیوں کے ساتھ۔

12۔ملک بجّار کے اتحادی لشکر اپنی پوری غضبنا کی کے ساتھ۔

جدگال لشکروں کے تعاقب میں دوڑ پڑے اور جدگالوں تک پہنچ کر ان پر حملہ آور ہوئے۔شدید اور خونخوار لڑائی ہوئی۔جس میں جدگال لاشوں کے پشتے لگ گئے۔

قتل وغارتگری کا یہ خوفناک منظر دیکھ کر گوشو سے نہ رہا گیا۔اس نے دہشت سے اپنے کان پکڑ لئے اور ہاتھ باندھ کر میروانیوں کی سماجت کرنے لگا کہ اب قتل عام سے ہاتھ روک لو۔تم نے دشمن سے دس گنا اپنا انتقام لے لیا ہے۔دشمن کو خدا کے لئے اس بیدردی سے مت کاٹو۔اس وقت ملک بجّار جذبات سے بے قابو اور دیوانگی کی

حالت میں تھا اور اُس کے منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا۔ گوشو نے بجّار خان سے التجا کی اور اُسے فتح پانے کی مبارکباد بھی دی اور کہا کہ تم نے نغاڑ کا قلعہ دوبارہ حاصل کرلیا ہے۔ اُس نے بجّار خان کو سلامت دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کیا۔ کیوں کہ وہ تمام براہوی میروانیوں کا تاجدار ہے، وہ مُلک کا سربراہ اور قبائل کا ہیرو ہے (19)۔ وہ گم گشتہ خونوں کا انتقام گیر ہے جس سے کوئی انتقام نہیں لے سکتا۔

اب گوشو اُسے مخاطب کر کے کہتا ہے کہ آؤ اور قبیلہ کی سرداری کا دستار باندھ لو، اپنے عزیزوں اور بھائی بندوں کو اکٹھا کرو۔ احمد اور مہراب کو اطلاع کردو کہ جدگال کو شکست ہوگئی ہے ٹوہو اور گُرگین کی وفاداری اپنی مثل ہے، سماعیل بُزدل کو چھوڑ دو کہ لڑائی سے خوفزدہ ہوکر مار آپ کی پہاڑیوں میں جا کر چھپ گیا ہے۔

(جب پھر اطلاع آتی ہے کہ بیلہ لکّ کے اطراف میں جدگال نئی منصوبہ بندی کے لئے اکٹھا ہورہے ہیں تو گوشو ملک بجّار کو کہتا ہے) دیر نہ کرو اور بیلہ لکّ کی طرف پیش قدمی جاری رکھو اور جتّوں کو کُچل ڈالو۔ وہ مشورہ دیتا ہے کہ خاران کے شیر دل جنگجو ملک دوستین (21) کو بھی بلاؤ، گواران (22) اور سوپک (23) تیرے خیر خواہوں سے ہیں۔ جو شروع دن سے میرو (24) کے وفادار رہے ہیں۔ کانوں میں بالیاں پہننے والے نغاڑی جن کی تعداد پانچسو کے قریب ہے، وہ تجھ پر جان نچھاور کرنے والے ہیں۔ سیاہ پھادوں نے بھی جدگالوں کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور اب وہ تمہارے قبیل میں ہیں۔ بوٹ پہننے والے زنگی اور سہراب بھی جدگالوں سے جُدا ہوگئے ہیں۔

ملک بجّار نے ہر طرف اپنے آدمی بھیجے تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ اتحادی حاصل کرے۔ چنانچہ نال سے میروانیوں کی مدد کو حمّل بیزنجہ، عُمر نوہانی، اور نندہ بیزنجہ کی سرکردگی میں اتحادی لشکر روانہ ہوئے (25) اور جدگال لشکر سے مقابلہ ہوا جس کا سرکردہ یوسف جدگال تھا۔ اس لڑائی میں جدگالوں کو شکست ہوئی۔ میروانیوں نے

گروک تک جدگالوں کا پیچھا کیا۔ جونال، گروک اور ہزارگنجی علاقوں سے بھاگے۔ بجّار کے لشکریوں نے ان علاقوں پر قبضہ کیا۔ اور آگے بڑھے، معلوم ہوا کہ جدگالوں نے وڈھ اور اورناچ کو بھی خالی کر دیا۔ براہوا تحادی ان کا پیچھا کرتے ہوئے موضع کشاری سے آگے نہیں بڑھتے۔ جدگال آگے نکل چکے ہوتے ہیں۔ ملک بجّار انتہائی غضبنا کی اور جوشیلی حالت میں پاگلوں کی طرح ایک ڈیڈار (درخت تھوہر) پر تلوار چلا چلا کر ٹھنڈے پڑتے ہیں۔ اس درخت کا نام زخمی ہونے کی بنا پر ''ٹپّی ڈیڈار'' یعنی زخمی تھوہر پڑ گیا جو ابھی تک اسی نام سے معروف ہے۔ نظم کا شاعر کہتا ہے کہ پھر جنگ بندی ہوتی ہے اور یہی درخت براہو قبیلہ کی آخری سرحد تسلیم کی گئی۔ نظم میں پھر پوری حد بندی کی تفصیل دی گئی ہے جس کے مطابق بجّار کے مفتوحہ علاقے ''کنّر چاری'' تک تھا (26)۔ ''ٹپّی ڈیڈار'' براہو میروانیوں کی سرحد ٹھہرائی گئی۔ سرحد کی سیدھ کشاری موضع تک تھی۔ اُس طرف (بیلہ کی طرف) اس کی سرحد ''بیلہ لکّ'' تک ہوتی ہے۔ جو حلفیہ طور پر میرو (ملک بجّار کا دادا میر و میروانی) کا فتح کیا ہوا (علاقہ تھا)۔ سچ ہے کہ حق کبھی نہ کبھی حقدار کو مل ہی جاتا ہے (27)۔ اُس کی تلوار کے نشانات ہنگول (گاؤں) تک موجود ہیں۔ کولواہ کی طرف اُس کے مقبوضات کی سرحد ''تیر تیج'' گاؤں تھا اور ریج کے سرے پر ''گوارانی دمب'' سرحد تھی۔

شاعر بتاتا ہے کہ اب فیصلہ کے مطابق اوپر (شمال) کی سمت براہوکا علاقہ اور نیچے (جنوب) کی طرف جدگال کا علاقہ تسلیم کیا گیا۔ فیصلہ اور جنگ بندی کے بعد اب اتحادیوں میں مقبوضات کی تقسیم شروع کی گئی جو اس طرح کی گئی:۔

1۔ نال کی مقبوضات حمّل کو دیئے جسے شاعر حمّل نالی یعنی نال کا رہائشی کہتا ہے اور اسے میر بجّار کا نائب بتاتا ہے جسے بیس من جو (50 سیر) ماہوار بطور راشن کے ملتا ہے۔ شاعر، نائب کہنے کے علاوہ اُسے میر بجّار کا ''اسپ پال'' یعنی گھوڑوں کا رکھوالا بھی کہتا ہے۔

2۔عمر بُزدار کو بھیڑ بکریوں کا ریوڑ دیا گیا۔نظم میں اُسے مقبوضات میں سے کچھ دینے کا ذکر نہیں ہے۔

3۔نندہ (حمّل نالی کا بھائی تھا) کو سردار یعنی بجّار کا ''گووال'' (بیل گایوں کا گلّہ چرانے والا) بنایا گیا۔اُسے بھی ملکیت دینے کا تذکرہ نہیں ہے۔

4۔وڈھ کی مقبوضات ملک دوستین نوشیروانی کو خدمات کے عوض بطور ایک حصّے کے دیئے گئے۔گریشہ اُسے، اُس کے بیٹے ملک دینار نوشیروانی کے خون کے عوضانے میں دیا گیا جو اس لڑائی میں مارے گئے تھے۔مشکے میں گجّر گاؤں اُسے اُس کی رہائش کے لئے دیا گیا۔

5۔تیمُر ولد یوسف ہوتک کو باراں لکّ سے دراکالہ اور پھر وڈھ سے وہیر تک کی مقبوضات کا نائب بنایا گیا۔

6۔سُہراب جتّ کو جیوا کے نصف علاقے سے لے کر سوراب ندی تک، پارُکو کے آب جُو سے لے کر حُرما گئے تک کے درمیانی مقبوضات میں سے حصّہ دیا گیا۔

7۔نوجوان محراب کو علاقہ کرخ، چکو، زیدی تا حدِّ باغبانہ خدمات کے عوض دیا گیا۔

8۔مستونگ کے کھڈ کوچہ سے لے کر خضدار قلعے تک کا درمیانی علاقہ احمد اور کمبر کو مشترکہ طور پر دیا گیا۔(28)

9۔''گیشر دغان'' تا حدِّ ''خلکُنا کھڈ''، لاکوریان کی زمین اور چھڈ (واقع گدر) کا بالائی حصّہ، جبیری کاریز تا حد گزرگاہ جوُری، خیسُن دون اور دشتِ بڈّو کی مقبوضات گُرگین اور دُرّک کو دیئے گئے۔نیز گُرگین کو اُس کے نئے قبیلہ کی سرداری بھی دی گئی۔

10۔سماعیل کو کچھ بھی نہیں ملا کیونکہ اُس نے جنگ میں حصّہ نہیں لیا تھا۔

11۔ہالہ اور ٹوہو کو ان کے باپ کے خون کے عوضانے اور اُن کے دونوں بیٹوں کی جنگی خدمات کے صلہ میں درج ذیل ملکیتیں دی گئیں:۔

زیارت گاہوں سے نصف توتک تک، روشن آپ سے جیبری زِکّ تک، جوئے میران سے گُرگُٹ تک، گبر ریک سے سلام بیک (خاران کے علاقے) تک، جھلاوان (خاران) سے ریگِ واشک تک۔

12۔شاہ بیک (ایلتا زئی، جدّ قبیلہ شاہ بیک زئی) کو سراوان (خاران) کا علاقہ دیا گیا۔

13۔سرمہ سنگ سے مار آپ کی پہاڑیوں تک، دشتِ گوران سے سرحدِ چھاتی تک مینگلوں کو دیا گیا۔ یہ حصّہ مینگلوں کو میروانیوں کے ساتھ رشتوں کی از سرنو تجدید کے عوض اضافی طور پر دیا گیا (92)۔

14۔حاجی سو پک (30) کو ان کی جنگی خدمات کے عوض خاران سے کاسئگ ندّی اور لوپ تک جائدادیں دی گئیں۔

15۔گواران (31) کو جو ملکیتیں دی گئیں وہ آبِ مئولی سے کوہ سیاہ گری تک اور تژندیں ندّی کے آخری جوئے آب تک تھیں۔

16۔صلاحی (32) کو ''گوئندان'' اور زرّک کو ''مٹّ'' کی مقبوضات دی گئیں (33)۔

17۔حالد (34) کو نصف تُوتک سے کوہ گاجی تک اور ہوکانی کا پچھلا علاقہ دیا گیا۔

18۔آدم کو گدریں علاقہ سُہر چیل دیا گیا۔

19۔میران کو لاکھوریان میں زمین اور ایک کاریز اور کلغلی ٹیلہ سے نیلی بیل تک کی مقبوضات دی گئیں۔

20۔دمبِ مار آپ سے انار تژّی تک کا علاقہ زیرک کو دیا گیا۔

21۔گوشو کو سرحدِ ڈنّ سے تُوتک تک کے درمیان اراضیات اور نغاڑ کا آبِ جُو دیا گیا۔

22۔گوشو اور گزّین کو پھر مشترکہ طور پر جو اراضیات دی گئیں وہ سنگِ سُوراب سے زنگی گٹّ تک، انجیرہ ندّی سے زہری وادی تک اور کونڈاری بند تک کے درمیانی علاقے میں واقع تھیں۔

مقبوضات کی تقسیم کے بعد منظوم داستان کے مطابق میر بجّار نے اعلان کیا کہ گوشو کے بھائی بند اور رشتہ دار وغیرہ آج سے میروانیوں کی غلامی سے آزاد ہیں۔ اور میر بجّار آج سے براہو اور اس کے اتحادیوں کا سردار ہے۔ درج ذیل علاقے حلفیہ طور پر اُس کے مفتوحہ ہیں:۔

☆ کھڈِ مستونگ (کھڈ کُوچہ) سے مند حاجی تک،

☆ مندِ حاجی سے روشن آپ تک،

☆ روشن آپ سے سر آپ تک،

☆ اواران سے عالی کوئر تک،

☆ جاہو اور ہنگول سے کشاری تک،

☆ بجّار نے بیلہ سے بھی مالیہ وصول کیا ہے۔

آخر میں نظم کا شاعر حلفاً کہتا ہے کہ مذکورہ جاگیریں براہو اتحادیوں کی فتوحات ہیں اور جن اتحادیوں میں تقسیم کی گئی ہیں اُن کے پاس پہلے یہ ملکیتیں نہیں تھیں۔ پھر کہتا ہے کہ جو کچھ اُس نے بیان کیا ہے ان کی سچائی ثابت کرنے کے لئے وہ قرآن پر بھی حلف لینے کے لئے تیار ہے۔

براہو جدگال جنگ کی یہ منظوم داستان براہوئی تاریخ کا واحد ماخذ ہے۔ جس نے براہوئی تاریخ کی عقدہ کشائی کرتے ہوئے تمام تر فرضی کہانیوں پر سیاہی پھیر دی ہے۔ جنہیں براہوئی تاریخ کا نام دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں منظوم داستان سب سے پہلے ہمیں لفظ ''براہو'' سے متعارف کراتی ہے۔

براہو:

یہ منظوم داستان ہمیں بتاتی ہے کہ براہو، میروانی قبیلہ کا سردار گھرانہ ہے جو سوراب کے موضع نغاڑ میں میروانی قلعہ میں رہائش پذیر ہے۔ اور ''ڈنّ سے سوراب تک'' کا خطّہ اس طائفہ کی ملکیت ہے جو اُس کے تصّرف میں تھا۔ یہ خطّہ ''براہو ملک'' کہلاتا تھا۔ مرکزی طائفہ تمام میروانی قبیلہ پر بالا دستی رکھتا تھا۔ براہو گھرانے کا سربراہ میروانی قبیلہ کا سردار ہوتا تھا۔ نظم ہی سے پتہ چلتا ہے کہ براہو طائفہ کا جدّ امجد میر براہیم تھا۔ جو عُرف عام میں براہو مشہور تھا۔ اُس کا گھرانہ اُس کی نسبت سے ''براہو'' مشہور ہوا۔ جو میروانی قبیلہ کا مرکزی طائفہ تھا۔ براہو طائفہ کے جن دیگر اجداد کا ذکر کیا گیا ہے ان میں میر گُہرام، میر حسن اور میر کمبر کے نام شامل ہیں جو اپنے وقت کی مشہور شخصیتیں تھیں۔ خوانین قلات کے تذکرہ نویس آخوند محمد صدیق نے اپنی فارسی تصنیف ''تاریخ الابرار'' میں خوانین قلات کا جو شجرہ نسب دیا ہے اُس میں میر حسن کو میر گہرام کا بیٹا اور میر گہرام کو میر براہیم کا بیٹا دکھایا گیا ہے۔ یاد رہے کہ یہ شخصیتیں پنجگور کے رئیس قبیلہ سے ہیں جن کا سلسلہ نسب اکثر بلوچ قبائل کی روایتی شخصیت ''میر حمزہ'' تک پہنچتا ہے۔ جنہیں اکثر بلوچ غلط فہمی میں نبی کریم ﷺ کا عمّ ''امیر حمزہ'' سمجھتے ہیں اور قریش ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جن کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ اس نظم میں ''براہو'' طائفہ اور اس کی تاریخی شخصیتوں کو میر حمزہ کی نسل سے بتا کر قریشی ہونے کی بات کی گئی ہے۔ جسے رند قبائل نے بھی اپنی قدیم شاعری میں اپنا جدّ امجد بتایا ہے جبکہ کسی رند طائفہ یا شخصیت کا شجرہ نسب کسی میر حمزہ نامی شخص تک نہیں پہنچتا۔ اس کے برعکس میروانی اور اس کے ہم نسل قبائل کے شجرہ ہائے نسب ''میر حمزہ'' تک موجود ہیں۔ جو مکران کے رئیس

قبیلہ کی ایک مشہور تاریخی شخصیت گزری ہے۔ درحقیقیت نظم کا شاعر اور اکثر بلوچ قبیلے نام ''میر حمزہ'' اور ''امیر حمزہ'' میں فرق نہیں کر سکے ہیں اور یہ غلط فہمی بھی اسی سبب سے پیدا ہوئی ہے۔

میر حسن:۔ رزمیہ داستان میں میر حسن کو میروانیوں کے اجداد سے کہا گیا ہے۔ جو میر گہرام کا بیٹا اور میر براہیم کا نواسہ ہے۔ اُسے کمبر زئیوں سے کہا گیا ہے۔ واضح ہو کہ کمبر زئی قبیلہ ''فاتح قلات میر کمبر رئیس بورسوار'' کے نام پر ہے وہی کمبر زئیوں کے جد امجد ہیں۔ یہ پنجگور کے قبیلہ رئیس سے تھے۔ میر گہرام، میر حسن اور میر براہیم وغیرہ اپنے وقت رئیس کہلاتے تھے (39) میر حسن ایک نڈر اور شمشیر زن سردار تھا۔ جس نے کئی جنگی مہمیں سر کیں اور جنگوں میں شمشیر زنی کے جوہر دکھائے۔ آخوند محمد صدیق نے انہیں پہلا خان قلات بتایا ہے اور لکھا ہے کہ دہواروں نے قلات کے ایک مغل حاکم کو اس کے ظالم ہونے کی بنا پر مار دیا اور اپنے میں حکمرانی کے جوہر نہ پا کر معتبرین کو میر براہیم خان کے پاس بھیجا تا کہ وہ اپنا کوئی بیٹا حکمرانی کے لئے نامزد کریں۔ میر براہیم خان نے اپنے نواسہ اور گہرام کے بیٹے میر حسن کو دہواروں کے ساتھ قلات بھیجا اور اُسے حکومت کی گدّی پر بٹھایا (35) گل خان نصیر نے ''تاریخ بلوچستان'' کے ص نمبر 14 اور خان میر احمد یار خان بلوچ نے ''مختصر تاریخ قوم بلوچ وخوانین بلوچ'' کے ص نمبر 36 پر لکھا ہے کہ میر حسن لاولد فوت ہوئے لیکن آخوند محمد صدیق نے خوانین قلات کا شجرہ نسب اپنی کتاب ''تاریخ الابرار'' میں شائع کیا ہے اُس میں میر حسن کا ایک بیٹا ''سنجر'' کا نام دیا ہوا ہے۔ اور مشکے کے میروانی سردار قادر بخش نے میر حسن کے چھ بیٹوں کے نام گنائے جو میر وخان، سنجر خان، کمبر خان، احمد خان، براہیم خان اور شنبہ خان تھے جو میر وزئی کہلاتے تھے۔

میرو براہو میروانی:

براہو جدگال جنگ کی رزمیہ داستان نے میرو براہو میروانی کا تذکرہ حاکم نغاڑ اور میروانی سردار میرعمر کے باپ کے طور پر کیا ہے۔ چند اشاروں کنایوں میں ان کے بارے میں قدرے معلومات دی ہیں۔ انہیں میرعمر سے قبل میروانیوں کا ایک لڑاکو سردار اور فاتح دکھایا گیا ہے جس کی فتوحات کولواہ سے بیلہ لکّ اور ہنگول گاؤں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ نظم ہمیں بتا دیتی ہے کہ جو علاقے میر بجّار کی سربراہی میں براہو اتحادیوں نے فتح کئے ہیں وہ دراصل پہلے ہی میرو کے فتح کئے ہوئے علاقے تھے جو شاید بعد میں کسی وقت پھر جدگالوں کے قبضے میں جا چکے تھے (36)۔

میرعمر براہو میروانی:

میرو براہو کے بعد نظم ہمیں اُس کے بیٹے میرعمر براہو سے ملاقات کراتی ہے جو میروانیوں کا سردار اور قلعہ نغاڑ کا حاکم ہے۔ اسی کے دَور میں کچھی، بیلہ اور جہلاوان کے جدگال لشکر قلعہ نغاڑ پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ میرعمر اپنے لوگوں کے ساتھ جدگال لشکر سے مقابلہ کرتا ہے لیکن اچانک اور ناگہانی حملے کی تاب نہ لا کر اپنے بھائی قلندر براہو کے ساتھ قتل ہو جاتا ہے اور علاقہ جدگالوں کے قبضے میں چلا جاتا ہے اور قلعہ نغاڑ پر جدگال قابض ہو جاتے ہیں۔ (37)

میر بجّار براہو میروانی :

براہو جدگال جنگ کی رزمیہ داستان ہمیں میر بجّار کی مختصر سوانح عمری بتاتی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میر بجّار، سوراب کے موضع نغاڑ کے میروانی قلعے میں میر عمر براہو میروانی کے ہاں تولّد ہوا۔ جسکی پیدائش پر بڑی خوشیاں منائی گئیں اور خیرات وصدقات تقسیم کئے گئے۔ اُسے بڑے ناز ونعم سے پالا گیا۔ اُسے قرآن مع ترجمہ وتفسیر پڑھانے کے لئے اتالیق مقرر کئے گئے۔ یہ زمانہ میروانی حاکمی اور علاقے کی خوشحالی اور بے غمی کے دن تھے کہ ناگہاں بیلہ، مولا، کرخ وکچھی کے علاقوں سے جدگال لشکر نے قلعہ نغاڑ پر حملہ کیا۔ براہو لوگوں نے مقابلہ کیا۔ حاکم نغاڑ میر عمر اپنے بھائی قلندر کے ساتھ قتل ہوا اور میر عمر کی بیوی بی بی مہناز اپنے کمسن بیٹے بجّار کو لے کر علاقے سے نکل گئی اور اپنے خواجہ رشتہ داروں کے پاس پشین پہنچ گئی۔ وہیں پر بجّار بڑا ہوا اور جوانی کو پہنچا۔ رزمیہ داستان کا شاعر پشین میں بجّار کے رہنے کا عرصہ اٹھارہ سال بتاتا ہے۔ اس دوران بجّار نے اپنی ماں سے اجازت طلب کی تا کہ سوراب جا کر اپنے باپ اور قبیلہ کے جدگال قاتلوں سے انتقام لے سکے۔ ماں نے اُسے اجازت دی اور سوراب میں اپنے خاندانی غلام گوشو کے پاس جانے کا اُسے مشورہ دیا۔ میر بجّار چھپتے چھپاتے سوراب پہنچا، اور گوشو کے ساتھ جدگالوں سے لڑنے کی منصوبہ بندی کی اور لڑائی شروع کی۔ یہ لڑائی کئی عرصے تک سوراب، خاران، خضدار، نال، گروک، اور ناچ وڈھ وغیرہ میں چلتی رہی تا آنکہ جدگالوں کو شکست دے کر میر بجّار براہو کے اتحادیوں نے جدگالوں کو بیلہ کے موضع کشاری سے آگے دھکیلا۔ دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ

بندی اور علاقے کی حد بندی ہوگئی۔ تب بجّار نے مفتوحہ علاقے کی مقبوضہ اراضیات کو براہوا اتحادیوں میں تقسیم کیا۔ اور اتحادیوں کے سرکردہ شخصیتوں کے ناموں کی نسبت سے نئے قبیلوں کی تشکیل کی اور ان کے سرکردہ اشخاص کی بحیثیت سردار دستار بندی کی۔ نئے قبائل نے متفقہ طور پر میر بجّار کو براہوا اتحادیہ (براہوئی) کا چیف بنایا اور ہر قبیلہ کے سردار نے اُس کو دستار باندھا۔ قلعہ نغاڑ دوبارہ میر عمر براہو کے بیٹے میر بجّار کے قبضے میں آچکا تھا جو اتحادیہ ''براہوئی'' کا ''مرکز'' ٹھہرا۔ (38)

اشاریہ:۔

1۔ میر عمر براہو، میروانی سردار میرو براہو کا بیٹا تھا جو باپ کے قتل کے بعد نغاڑ سوراب میں قبیلہ کا سردار تھا۔ جو سیر و شکار کا شوقین تھا اور کوئی طاقتور سردار ثابت نہیں ہوا تھا۔ وہ شاہی زیئوں سے اپنے مقتول باپ کا انتقام لینے میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا یا جدگالوں کی دشمنی میں اُسے اِس پہلو پر منصوبہ بندی کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ اور جلد ہی جدگالوں کے حملے میں مقتول ہوا۔ مفروضوں کے انبار لگانے والوں نے اُس کے بارے میں بھی کئی غیر تحقیقی باتیں لکھیں۔ خوانین بلوچ کی تاریخ لکھنے والے مفروضہ نگار مصنف تاریخچہ ''اخبار الابرار'' آخوند محمد صدیق نے اِس میروانی سردار کو مفروضہ مغل حکمران قلات کے بعد قلات کا حکمران لکھا ہے۔ مزید ایک فرضی کہانی گڑھتے ہوئے لکھتے ہیں:

''چاکر سردار رند اور گوہرام لاشاری نے مکران سے قلات کا رُخ کیا۔
تب میروانیوں اور چاکر بلوچ کے والد میر شیہک کے درمیان لڑائی
ہوئی۔ میر عمر مارا گیا۔ قلات کو میروانیوں سے لے لیا گیا۔''

(''اخبار الابرار'' کا اردو ترجمہ بنام ''تاریخ خوانین قلات'' از میر گل خان نصیر صفحہ نمبر 22 اور 23)

آخوند کا مندرجہ بالا بیان سو فیصد مفروضہ کہانی ہے۔ نہ قلات پر مغلوں کی حکمرانی ثابت ہے اور نہ کہ چاکر و شیہک اور رندوں کی میروانی کے ساتھ کوئی لڑائی ہوئی ہے۔ اس کے برعکس سردار چاکر و شیہک رند میر عمر میروانی کے ہم عصر بھی نہیں تھے۔ بلکہ وہ میر عمر میروانی کے زمانہ (65-1660ء) سے تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل تھے۔ اس کے علاوہ میروانیوں کا قلات سے کوئی سروکار نہیں رہا ہے نہ کبھی انہوں نے کسی دور میں قلات سے وابستگی اور حکمرانی کا دعویٰ کیا ہے۔ میروانیوں کے علاقے کولواہ، مشکے اور سوراب رہے ہیں اور سوراب میں صرف نغاڑ تک محدود رہے ہیں جہاں پر ان کا ایک قدیم قلعہ تھا جو پہلے ترکوں، پھر گجّروں کے قبضے میں تھا جن سے میروانیوں نے لے لیا تھا۔ میر عمر اسی نغاڑ کا باشندہ تھا اور میروانی سردار گھرانہ براہوسے تھا۔ مزید یہ کہ سردار شیہک رند کی سرکردگی میں مکران (کولواہ) سے بطرف قلات آنے والے رند لشکر میں گوہرام اور لاشاری شامل نہیں تھے۔ لاشاری قبیلہ کے کسی زمانے میں اور کسی راستے سے کچھی اور سبّی کے علاقوں کی طرف آنے والے راستوں پر کہیں بھی آبادکاری کے نقش پا نہیں ملتے جبکہ اِس کے برعکس رندوں کی آبادکاری کے ثبوت ان کے مواضع اور طوائف کی صورت میں سارے راستے پر پھیلے ہوئے ہیں۔

بلوچ مؤرخ میر گل خان نصیر نے اپنی تصنیف ''تاریخ بلوچستان'' میں میر عمر کو ہیرو بناتے ہوئے یوں گُل افشانی کی ہے:

''میر عمر، میرو کا لڑکا 1511ء میں میرو کے بعد بلوچوں کا سردار
منتخب ہوا۔ میر عمر باپ کی طرح بہادر، موقع شناس اور ہشیار تھا۔
جدگالوں کے ساتھ کئی فتحیاب لڑائیاں لڑ کر اپنے قبیلہ میں

ہر دلعزیزی حاصل کر چکا تھا۔ اُس زمانے میں ذنّوں بیگ ارغون حاکم قندھار کی طرف سے قلات کا گورنر تھا۔ میر عمر نغاڑ علاقہ سوراب میں رہا کرتا لیکن اسے اپنی طاقت بڑھا کر قلات کی حکومت پر قبضہ کرنے کا ہر وقت خیال تھا۔ 1530ء میں جب ارغون خاندان کو کامران مغل کے ہاتھوں قندھار میں شکست ہوئی تو اُس سے قلات میں ذنّوں بیگ کی طاقت کمزور ہوئی ذنوں بیگ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر میر عمر نے جو عرصہ سے اسی دن کے انتظار میں تھا اپنے جفا کش اور بہادر قبیلہ کے ساتھ قلات پر حملہ کر دیا۔ ذنّوں بیگ نے جان توڑ کر مقابلہ کیا لیکن جنگ آزمودہ اور جفا کش بلوچوں کے سامنے زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکا اور شکست کھا کر افغانستان کی طرف فرار ہو گیا۔ میر عمر کو فتح ہوئی اور قلات پر قابض ہو کر اُس نے قلات میں بلوچی حکومت کی داغ بیل ڈالی۔''

میر گل خان نصیر کی درج بالا کہانی نہ صرف میر عمر کی شخصی زندگی کے بارے میں سو فیصد غلط اور فرضی ہے بلکہ اُس سے متعلق ساری کہانی ایک ذہنی اختراع اور غیر حقیقی ہے۔ اِسی بے بنیاد اور مفروضہ کہانی کو خان بلوچ میر احمد یار خان نے اپنی کتاب ''مختصر تاریخ قوم بلوچ وخوانین بلوچ'' میں بعینہ نقل کیا:

''قلات پر مغل ارغون خاندان حکمران تھا اور قندھار ان کا پایہ تخت تھا۔ 1530ء میں ارغون حکمران ذوالنوں بیگ کو مرزا کامران نے شکست فاش دے کر اس کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ جس کے نتیجہ میں قلات پر ارغون خاندان کا تسلط کمزور پڑ گیا۔ لوگ یوں بھی اِس حکومت سے بیزار تھے۔ مغلوں کی عیش کوشی اور جور و جبر کے

معمولات نے بلوچستان میں ان کو جلد ہی بے وقعت بنا دیا تھا۔ جب قندھار کی ارغون حکومت کا خاتمہ ہوا تو بلوچوں کے سردار میر عمر خان نے موقع غنیمت جان کر قلات پر حملہ کر دیا۔ مغل مقابلہ نہ کر سکے اور دُم دبا کر بھاگ گئے۔ میر عمر خان نے قلات پر قبضہ کر کے مضافات پر توجّہ دی۔ پہلی بار بلوچی تاریخ میں ایک باقاعدہ بلوچ ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ میر عمر خان شبانہ روز کاوشوں سے حکومت کو مضبوط و مستحکم بنانے میں مصروف تھا کہ اچانک مکران اور کرمان سے بلوچ سردار میر شیہک رند اور میر گہرام لاشاری ایک لشکر جرار کے ساتھ نمودار ہوئے اور اپنے ہی بھائیوں پر ٹوٹ پڑے۔ میر عمر خان نے اپنے محافظوں کے ساتھ مزاحمت کی اور لڑتا ہوا میدانِ کارزار میں گر گیا اور خالق حقیقی سے جا ملا۔ اِس حادثہ ماجعہ سے بلوچوں میں برادر کشی اور خانہ جنگی کی المناک روایت نے جنم لیا۔ بلوچ ایک باہمت قائد سے اپنوں ہی کے ہاتھوں محروم ہو گئے۔'' (صفحہ نمبر 34)

مندرجہ بالا تمام بیانات کی بنیاد آخوند محمد صدیق کی اخبار الابرار میں دی گئی جھوٹی کہانی ہے۔ قلات پر مغل حکمرانی کی بات بھی غلط اور مفروضہ ہے۔ کسی مستند تاریخ میں اِس کا تذکرہ نہیں ملے گا۔ صرف مستونگ کی حد تک ایک مغل نائب کا تذکرہ ملتا ہے جو ایران کے مشرقی صوبہ قندھار کے والی کا تقرر کردہ تھا جس کا کام صرف مالیہ جمع کرنا ہوتا تھا۔ باقی ساری کہانی خود ساختہ ہے جسے گل خان نصیر، خان احمد یار خان اور دیگر مصنفین بار بار دھراتے رہے ہیں۔ اِسی طرح میر عمر کی حاکمیت اور ارغون وغیرہا سے اُس کی لڑائیوں کے تذکرے بھی جھوٹ ہیں۔ اُس کا زمانہ 1530ء وغیرہ سب فرضی باتیں ہیں اِسی طرح رندوں سے میروانیوں کی لڑائی بھی ایک جھوٹی کہانی ہے۔ متذکرہ بالا بیانات کو مسترد کرتے ہوئے

معروف محقق جسٹس میر خدا بخش بجارانی مری نے اپنی تصنیف ''بلوچستان تاریخ کے آئینے میں'' کے صفحہ نمبر 356 پر یوں لکھا ہے:

''مندرجہ بالا بیانات بے بنیاد اور نا قابل قبول ہیں۔ بلکہ حقیقتاً وہ تاریخی واقعات اور دوسرے مقامات پر بیان کردہ مواد کے بالکل برعکس ہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ قندھار کے حکمران نے ذوانوں بیگ ارغون کو قلات کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اور 1530ء میں ذوالنون بیگ ارغون میر عمر خان میرواڑی سے ایک لڑائی میں شکست کھا کر قلات سے چلا گیا تھا، اس دور کے تاریخی واقعات سے ناواقفیت کا مکمل اظہار ہے۔ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ ذوالنون بیگ ارغون قندھار کے حکمران کا مقرر کردہ نہیں تھا نہ ہی 1530ء میں اس نے میر عمر میرواڑی سے شکست کھائی تھی اور نہ ہی شہنشاہ بابر کے لڑکے کامران مرزا نے اسے قندھار سے نکالا تھا۔ اس کے برخلاف ذوالنون بیگ خود قندھار کا گورنر تھا جسے ہرات کے بادشاہ شاہ حسین نے مقرر کیا تھا۔ اس لئے میر گل خان نصیر کے بیان کے برعکس وہ نہ کبھی قلات کا گورنر رہا اور نہ ہی کبھی اس کی لڑائی میر عمر میرواڑی سے ہوئی۔ علاوہ ازیں ذوالنون بیگ تو 1530ء میں، زندہ بھی نہیں تھا۔ کیونکہ وہ 1507ء میں محمد خان شیبانی ازبک کے خلاف ہرات میں ایک لڑائی میں مارا گیا تھا۔ اور پھر یہ بات بھی یاد رہے کہ ذوالنون بیگ کے لڑکے شاہ بیگ کو 1522ء میں قندھار کے بادشاہ بابر کے حوالہ کرنا پڑا تھا نہ کہ اس کے لڑکے کامران کے۔

بنابریں میر گل خان کا یہ تمام بیان دُرست نہیں ایک خیالی ہستی عمر میرواڑی کی موجودگی اور ارغونوں سے اُس کی ''جنگ غیر تاریخی

باتیں ہیں۔''

(بلوچستان تاریخ کے آئینے میں، ص356)

میر گل خان نصیر نے اگرچہ اس فرضی کہانی کو مختلف غیر تاریخی اور غیر حقیقی سیاق و سباق میں بیان کر کے تاریخ سے نابلد ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ لیکن بُنیادی کہانی انہوں نے آخوند محمد صدیق کی ''تاریخ الابرار'' سے اخذ کیا ہے۔ جس کو خود میر گل خان اور ملک محمد سعید دہوار اپنی تاریخوں میں ''غیر معتبر راوی'' کہتے رہے ہیں۔ گل خان نصیر نے آخوند کی نگارشات کے بارے میں اپنی رائے، آخوند کی کتاب ''اخبار الابرار'' کا بنام ''تاریخ خوانین قلات'' ترجمہ کرتے وقت ص ۱۲ پر درج کی ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے ایک جھوٹی کہانی کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ وہ رائے یہ تھی:۔

''یہ بیان صحیح نہیں۔ یہ لڑائی نغاڑ سوراب پر جدگالوں اور میروانیوں کے درمیان لڑی گئی۔''

پھر آگے لکھتے ہیں:۔

''سردار میرو کا بیٹا میر عمر جہلاوان کے جدگالوں کے خلاف لڑائی میں مارا گیا۔ ان دنوں وہ نغاڑ علاقہ سوراب میں رہتا تھا۔ آخوند کی رائے کہ میر عمر قلات میں تھے اور رند و لاشار کے خلاف لڑائی میں مارے گئے، صحیح نہیں ہے۔ بلوچی اشعار اور دیگر دستاویزات میں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ جبکہ جدگالوں کے ہاتھوں اس کے مارے جانے کے ثبوت میں بلوچی اشعار کی سند موجود ہے۔''

مندرجہ بالا متضاد بیانات کی متواتر مختلف کتابوں کے ذریعہ تشہیر اور پھر تاریخی انکشافات سامنے آنے کے بعد نام نہاد مصنّفین کو اپنے من گھڑت کہانیوں اور مفروضات کی بقلم خود تردید کرنا پڑ رہی ہے اور اُنہی حقائق پر بھروسہ کرنا پڑ رہا ہے جو بلوچی رزمیہ داستانوں میں محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔

زیر مطالعہ رزمیہ داستان جو براہو میروانی شاعر کا دوران جنگ کہی ہوئی داستان ہے، واضح طور پر کہتی ہے کہ میر عمر سوراب کا میروانی سردار تھا جو اپنے باپ میرو براہو کی موت کے بعد سردار منتخب ہوا۔ اور چند عرصہ بعد جدگالوں کے ایک اچانک بڑے حملے میں مقتول ہوا۔ داستان رندوں سے کسی دشمنی یا چپقلش کا تذکرہ نہیں کرتا بلکہ مفروضوں کے برعکس کئی رند شخصیتیں اپنے لشکروں کے ساتھ میروانیوں کے اتحادی ہیں۔

میر چاکر رند کے والد میر شیہک اور میروانیوں کے درمیان لڑائی کا جھوٹ ہونے کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ میر عمر اور چاکر رند یا اس کے والد شیہک ہمعصر نہیں تھے۔ سردار خان گشکوری نے اپنی کتاب ہسٹری آف بلوچ ریس اینڈ بلوچستان میں لکھا ہے کہ سردار چاکر خان نے سنّی جام نندہ سے 1486ء میں لیا۔ کتاب ''چاکر اعظم'' میں یہی مصنّف لکھتے ہیں کہ بیبگر رند اور امیر ذوالنون کی بیٹی گراناز کے معاشقے کے نتیجے میں رندوں اور قندھاری لشکر کے درمیان درہ بولان میں لڑائی چھڑ گئی تھی اس وقت سردار چاکر خان بھرپور جوانی میں تھے۔ یہ سال 1495ء تھا۔ رندوں اور لاشاریوں کے درمیان لڑی جانیوالی لڑائیوں کے دوران ایک لڑائی میں ہرات کے حاکم سلطان شاہ حسین نے لاشاریوں کے خلاف سردار چاکر خان کی مدد کو لشکر بھیجا۔ مشترکہ لشکر نے لاشاریوں کا قتل عام کیا۔ یہ سال 80۔1470 کے درمیانی سال تھے۔ کتاب ''بلوچستان، رپورتاژ'' میں کہا گیا ہے کہ سردار چاکر خان رند، لاشاریوں کو شکست سے دوچار کرنے کے بعد 1512ء کے شروع میں سنّی سے ملتان کی طرف چلا گیا۔ میر خدا بخش بجارانی نے اپنی تصنیف ''قدیم بلوچی شاعری'' میں کہا ہے کہ سردار چاکر رند، رند لاشار لڑائی کے اختتام پر 1545ء کے قریب ہندوستان چلا گیا۔ ''تاریخ بلوچستان'' میں ہتورام نے لکھا ہے کہ 1540ء میں میر چاکر رند، اپنے رند لشکر کے ہمراہ ہمایوں بادشاہ کی مدد کو موجود تھا اور ہمایوں نے شیر شاہ سے 1556ء میں دہلی لے لیا۔ اپنی دوسری کتاب ''بلوچستان، تاریخ کے آئینے میں'' کے ص 232 پر وہ ''تاریخ شیر شاہی'' کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ شیر شاہ سُوری نے اپنے جنرل ہیبت خان نیازی کو 1540ء میں میر چاکر رند سے گفت وشنید کرنے کا حکم دیا۔ سردار خان گشکوری کے مطابق سردار چاکر خان

رند کا انتقال 1550ء سے 1555ء کے درمیان ہوا۔

اب آیئے میر عمر میروانی کے زمانے کی طرف۔

میر عمر، میر بجّار براہو کا باپ تھا۔ جب جدگالوں کے حملے میں میر عمر اپنے بھائی قلندر کے ساتھ مارا گیا تو ملک بجار کم سن تھا۔ جسے اُس کی ماں بی بی مہناز حملے سے بچاتے ہوئے اپنے رشتہ داروں کے پاس پشین لے گئی۔ نظم کے مطابق وہ پشین میں اٹھارہ سال تک رہی۔ جب تک بجّار جوان ہو گیا۔ بجّار نے جدگالوں سے انتقام لینے کے لئے ماں سے اجازت لی اور سوراب چلا آیا۔ اور دیگر میروانیوں کی مدد سے جدگالوں سے لڑنے کی تیاری کی۔ اس لڑائی کے لئے اُس نے اپنے دیگر رشتہ داروں اور ہمسایہ قبائل سے مدد مانگی۔ قلات سے سابق حکمران خانوادے نے میر احمد ایلتا زئی (جدّ امجد احمد زئی خوانین) اور میر کمبر کہدائی کی سرکردگی میں لشکر مہیا کیا۔ کئی لڑائیاں لڑنے کے بعد براہو میروانیوں کو فتح حاصل ہوئی اور میر بجّار نے جنگ کے اختتام پر مقبوضہ اراضیات کو اتحادیوں میں تقسیم کیا۔ اس تقسیم کے نتیجے میں اُس کے اتحادی میر احمد ایلتا زئی کو ''کھڈ مستونگ سے قلعہ خضدار'' تک کا علاقہ جنگی خدمات کے عوض دیا گیا۔ قلات کی مرکزیت اور قرب و جوار پہلے ہی سے ایلتا زئی خوانین کے تصرّف میں تھا۔ مذکورہ علاقے قلات کے توسیعی ہوئے۔ میر احمد ایلتا زئی کے بارے میں تمام محقّقین اور مصنّفین کا اتفاق ہے کہ وہ 1666ء میں وسیع تر قلات کے خان بنے۔ میر گل خان نصیر اور دوسروں کا بیان ہے کہ ان کا انتقال 1695ء میں ہوا اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ براہو جدگال جنگ 1665ء کے آس پاس اختتام پذیر ہوئی تھی۔ میر بجّار کی کم سنی کو اگر نو/دس سال مانا جائے تو پشین میں اٹھارہ سال کے بعد اُس کی عمر 28 اور 30 سال کے قریب ہوگی۔ بھرپور لڑائی کے دوران اگر ہم اُسے 35 سال کا تسلیم کرلیں تو میر عمر کے قتل کے سن کو 1630ء اور 1635ء کے درمیان مانا جائے گا جو سردار چاکر خان رند کی جوانی کے زمانہ سے تقریباً ایک سو چالیس سال بعد کا زمانہ ہے جو میروانی اور رند لڑائی کی کہانی کا مبنی بر جھوٹ ہونے کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

2۔ براہو :

میروانی قبیلہ کا سردار خیل طائفہ رہا ہے۔ جوان کے ایک جدّامجد براہیم ولد میرحسن کے نام پر ہے۔ جسے نیم نام کرکے براہو کہتے تھے۔ وہ ایک دیندار اور جری شخص تھا۔ جنہوں نے کئی قبائلی لڑائیوں میں اپنے قبائل اور لشکروں کی کمان کی اور جھلاوان اور خاران کے بہت سے علاقوں پر چڑھائی کی۔ براہو میروانی نے پہلی مرتبہ مندرجہ بالا خطّوں سے گجّروں کی سرداریوں کا خاتمہ کیا۔ زہریجہ اور کٹھانہ گجروں کی فولادی قوّت کو توڑ کر انہیں پہاڑوں میں پناہ لینے پر مجبور کیا۔ اوران کی بیشتر مقبوضات اور قلعوں پر فتح پا کر انہیں اپنے اتحادیوں میں تقسیم کیا۔ یہ براہو ہی تھا جس نے طویل عرصہ تک وقفے وقفے سے لڑی جانے والی اس جنگ میں جوش اور ہلچل پیدا کیا۔ اور جس نے جدگالوں کے خلاف بلوچستان بھر کے قبیلوں سے جنگی سان لیا اور اس لڑائی کو اتنا جوش وخروش دیا کہ یہ جھلاوان کی مشہور ترین لڑائی قرار پائی۔

براہو کی بہادری، جنگی تدبر، بلوچی وقار اور مزاج نے پورے بلوچستان میں انہیں شہرت کے جس مقام پر پہنچایا اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ وہ بلوچ قوم کے ایسے ہیرو مانے گئے کہ ہمسایہ قبیلے بھی اپنے کو اس کے قبیلہ میروانی میں ضم کرکے فخر کرتے تھے۔

براہو اور اس کا خاندان پچھلی نسلوں سے رئیسوں اور جدگالوں کے درمیان لڑی جانے والی اس خونخوار لڑائی کے براہ راست فریق رہے تھے۔ اس لئے سب سے زیادہ جانی و مالی نقصان بھی انہوں نے برداشت کیں۔ بڑے بڑے گھبرو جوان اور مصوم بچے اس جنگ میں انتقام کی بھینٹ چڑھے تھے۔ قبیلے کے سینکڑوں افراد کے سینوں میں مقتولین کے انتقام لینے کی آگ سلگ رہی تھی۔ براہو جوانی ہی سے

جدگالوں کے خلاف اپنے اسلاف کے خون کا حساب چکانے کی منصوبہ بندی کرتا رہا تھا۔اور قبائل کو جدگالوں کے خلاف اس کا ساتھ دینے پر آمادہ کرنے کی کوششوں میں لگا ہوتا تھا۔جس کے نتیجے میں پہلی دفعہ وہ ایک لشکر جمع کر کے قلعہ نوندڑہ پر حملہ آور ہوا۔اس حملے میں جدگالوں کا نامی گرامی سردار جلمب نوندڑہ مارا گیا۔اور قلعہ پر براہو کا قبضہ ہو گیا۔براہو نے دوسرا حملہ میانی قلعہ پر کیا اور اس پر بھی فتح پائی۔اس کے بعد جھاؤ اور قرب وجوار کی جدگال آبادیوں پر لگاتار حملے کئے۔اور ان کی مقبوضات میروانیوں میں بانٹ دیئے۔جن جن علاقوں پر براہو نے فتح پائی وہ خطّہ پھر ''میروانی ملک'' کہلایا۔یہیں سے اُن کے نام سے ''براہو'' طائفہ کی تشکیل ہوئی اور ان کے عزیز واقارب اور خاندان ''براہو'' کے نام سے متعارف ہوئے۔جنہوں نے تاریخ میں میروانی قبیلہ کا نام روشن کیا۔میروانی سرداری طویل زمانے تک اسی طائفہ کے پاس رہی۔زمانے کے حوادث کے ساتھ ساتھ یہ طائفہ کولواہ سے دور زہری کے اپنے ہم نسل رئیسوں سے قریب ہو کر سوراب کے قرب و جوار میں متوطن ہوا۔اور ڈنّ سے سوراب تک کے درمیانی علاقے کو اپنے تصّرف میں لایا۔نغاڑ کا قدیم تُرک قلعہ پر جو گجّروں کے قبضہ میں تھا، فتح پائی، جو پھر میروانی قبیلہ کا مرکز بنا۔مذکورہ علاقہ پھر ''براہو مُلک'' کہلایا۔

سوراب پر فتح پانے اور میروانیوں کو منظّم کرنے کے بعد انہیں خاران کے جدگالوں کے خلاف لڑائی پیش آئی۔جس میں یہ نیک اور دیندار شخص شہید ہوئے۔مقام شہادت کے قریب ہی اُسے دفن کیا گیا۔ان کا مقبرہ عوام کے لئے مبارک زیارت بن گیا۔جہاں پر لوگ دُور دور سے چلے آتے۔نذرونیاز چڑھاتے،خیرات اور صدقات کرتے اور اپنی مرادوں کی دعائیں مانگتے تھے۔تھوڑے سے عرصے میں یہ زیارت، علاقے کی سب سے بڑی زیارت بن گئی تھی اور ''براہو زیارت'' کے نام سے مشہور

تھی۔ یہ زیارت حکمرانِ خاران میر آزاد خان نوشروانی کے عہد میں آباد تھی جو بعد میں آہستہ آہستہ زمانے کے حادثات کی نذر ہوگئی۔ اب وہ زیارت نہیں رہی لیکن وہ مقام اب بھی براہو کہلاتا ہے جو عظیم مجاہد ہستی کی یادگار ہے۔

3۔ بعض بلوچ قبائل کے روایتی جدّامجد میر حمزہ جسے بلوچ غلطی سے حضور ﷺ کا چچا امیر حمزہؓ سمجھتے ہیں جو قریش قبیلہ سے تھے۔ اسی غلط فہمی کے نتیجے میں نظم کا میروانی شاعر میروانی قبیلہ کو قریشی نسل بتاتا ہے۔ جبکہ حقیقتاً میر حمزہ مکران کے تاریخی نامور قبیلہ رئیس سے تھا اور سندھ کے ہباری عرب حکمرانوں کے دربار میں آمد و رفت رکھتا تھا اور ان کی طرف سے مکران کا حاکم اعلیٰ تھا۔ عرب مؤرخ مسعودی (متوفی (58-957ء) نے 16-915ء میں ملتان اور سندھ کا سفر کیا اور ہباری حکمران سلطان ابومنذر عمر بن عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز ہبار بن اسود کے منصورہ دربار میں آتا جاتا رہا۔ ایسے ہی ایک موقعہ پر سلطان کے دربار میں انہوں نے میر حمزہ رئیس کو بھی دیکھا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:۔

> ''میں نے اِس دربار میں وزیر زیاد، اُس کے دو بیٹے محمد اور علی اور حمزہ نام کے محترم و معزز رئیس حاکم کو دیکھا۔''
>
> (مروّج الذھب بحوالہ ''برصغیر اور عرب مؤرخین صفحہ نمبر 159 اور ''تاریخ سندھ'' حصّہ اوّل صفحہ نمبر 286 تصنیف اعجاز الحق قدوسی۔)

اِس طرح ثابت ہوتا ہے کہ میر حمزہ رئیس دسویں صدی عیسوی کی مکران کی تاریخی شخصیت رہی ہے۔ واضح ہو کہ ان ایام میں مکران کا علاقہ مملکت سندھ کا خطّہ شمار

ہوتا تھا جو منصورہ کے حکمران کے دست نگر ہوتا تھا اور اندرونی طور پر خود مختار تھا۔

4۔ میر حسن میروزئی رئیس، براہیم عرف براہو کے اجداد سے تھا جس نے علاقہ مشکے کران میں پروار گجّروں کے خلاف میروزئی اتحادیہ (میروانی) بنائی اور اُن سے لڑائی کی۔

5۔ گہرام، میر حسن کا باپ تھا۔

6۔ براہیم، میر گہرام کا باپ تھا۔

7۔ ملاحظہ کیجئے اشاریہ نمبر 3۔

8۔ روایتوں کے مطابق عبّاس، میر حمزہ رئیس کے نو بیٹوں میں سے ایک کا نام تھا جو ایرانی بلوچستان میں کسی لڑائی میں مارا گیا اُس کی نسل بیر جند کے رئیس کہے جاتے ہیں۔ یہاں اِس سے مراد قریش کے عباس بھی ہو سکتے ہیں۔

9۔ میر چُھٹا قبیلہ کا بلفت جدگال تھا۔ بعض بھوتانی چُھٹا کہتے ہیں کہ قبیلہ چُھٹا کا جدّ امجد یہ چُھٹا نہیں تھا۔ وہ چُھٹا اوّل تھا اِس چُھٹا کا دادا تھا۔ قبیلہ کا مرکز دُریجی ضلع لس بیلہ ہے۔

10۔ ''گرگین'' جسے بعض اوقات ''گورگند'' بھی کہا جاتا ہے، اس داستان کے مطابق میر عمر براہو کا بھائی ثابت ہوتا ہے۔ جدگالوں کے ساتھ لڑائی میں گرگین کا لشکر گُرگینانی کہلایا۔ جو قدیم جدگالی کے زیر اثر گرگناڑی بھی بولا جاتا ہے۔ یہ اُس کے نام سے تشکیل پانے والا نیا قبیلہ تھا۔ جہلاوان گزیٹیر نے اِن کو اُن کے اپنے حوالہ سے قریشی عرب بتایا ہے۔ اور پھر مقامی روایات کی رُو سے گرگین کو میروانیوں کے جدّ امجد میرو کا بھائی بتایا ہے۔ جو غلط ہے۔ گُرگین میرو کا بیٹا تھا۔

11۔ ''سُماعیل، ذَگر قبیلہ سے تھا یہ قبیلہ پنجگور کی وادی گچک کا قدیم رئیس قبیلہ رہا ہے۔ جو قلات کے دشت گوران میں آباد ہو گیا تھا۔ سماعیل نے شروع میں جدگالوں

کے خلاف لڑائیوں میں حصّہ لیا تھا۔اس کا لشکر اُس کے نام کی نسبت سے سماعیلانی کہلایا جواب سمالانی اور قدیم جدگالی کے زیر اثر سُمالاڑی بولا جاتا ہے، اپنے قبیلے کا جدّ بنا۔ براہو میروانیوں کا داماد تھا۔ جھلاوان گزیٹئر میں اُسے میروانیوں کا بھائی بتایا گیا ہے جو غلط ہے۔سُماعیل قوم کا ذگر رئیس تھا جبکہ میرو، براہو میروانی قبیلہ سے تھا۔اس کے علاوہ سُماعیل، میرو کے نواسے میر بجّار کا ہم عصر اور جنگ کے شروع میں میروانیوں کا اتحادی تھا۔

12۔قلندر، میر عمر براہو میروانی کا بھائی تھا۔جدگالوں کے بڑے حملے میں اپنے بھائی میر عمر براہو کے ساتھ مارا گیا۔اس کے اتحادی اور لشکر اُس کی نسبت سے قلندرانی کہلائے۔ نئے قبیلہ قلندرانی کا جدّ بنا۔جھلاوان گزیٹئر نے انہیں میرؔ وخان کا بھائی بتایا ہے۔قلندر میرو براہو میروانی کا بیٹا تھا۔

13۔ہالہ، قلندر کا بیٹا تھا۔اپنے خاندان کے ساتھ میروانی کا اتحادی تھا۔اُس کے نام سے نیا قبیلہ ''ہالہ زئی'' بنا۔

14۔احمد، قلات کا ایلتا زئی رئیس تھا۔اپنے لشکر کے ساتھ براہو میروانی کا جنگی اتحادی تھا۔پھر اُس کے نام سے قبیلہ ''احمدزئی'' تشکیل پایا۔جس کا وہ جدّ امجد ہے۔خان احمد یار خان بلوچ نے اپنی کتاب ''اِن سائیڈ بلوچستان'' میں احمدزئی کو میروانی کی شاخ لکھا ہے۔جبکہ اپنی دوسری کتاب ''مختصر تاریخ قوم بلوچ وخوانین بلوچ'' میں اپنے اِس قبیلہ کو ''کمبرانی'' کی شاخ لکھتے ہیں جو کہ اُن کی اپنی نسلی تاریخ سے عدم دلچسپی کا ثبوت ہے۔ حالانکہ خوانین قلات کے ایک درباری اہل قلم قاضی نور محمد گنجابوی نے اِس حکمران خانوادے کے میر نصیر خان کا منظوم جنگنامہ لکھا ہے جس میں اُس کی نسل کا تذکرہ موجود ہے لیکن شاید خان صاحب کی نظر ان کی اپنی شاہی لائبریری میں موجود اِس

کتاب پر نہیں پڑی ہے۔ اِس کے علاوہ بھی انگریز محققین نے خوانین کے شجرہائے نسب بھی مرتب کیا ہے جس سے وہ استفادہ کر سکتے تھے۔ اگرچہ قبیلہ میروانی بھی اپنی اصل میں پنجگور ہی کے خطّے کے نامور قبیلہ رئیس سے ہیں مگر دونوں کئی پشتوں سے علیحدہ ہیں۔ طائفہ احمدزئی اور اس کے اجداد حاکم پنجگور اور پہلا خانِ قلات میر کمبر رئیس کی نسل ہے۔ کمبرانی وہ اِس ناطے کہلاتا ہے کہ جدگال کے خلاف لڑائی میں اُس کا جد میر احمد ، براہوا اتحادیہ کے کمانڈر اعلیٰ میر کمبر کہدائی کی کمان میں لڑا تھا بصورت دیگر اُس کا نسلی تعلق پنجگور کے میر کمبر رئیس کے گھرانے سے ہے۔ معروف موّرخ اور محقق سردار خان گشکوری نے بھی اپنی تصنیف ''ہسٹری آف بلوچ ریس اینڈ بلوچستان'' کے صفحہ نمبر 76 پر بھی لکھا ہے کہ

''معلوم تاریخ سے پہلے احمدزئیوں کے جدّ
امجد ''رئیس'' کہلاتے رہے ہیں۔''

کتابیں لکھنے کے ایک شوقین پٹھان صحافی سلطان محمد صابر نے اپنی ایک سطحی کتاب ''بلوچستان'' میں انگریزی دور کے پٹھان گائیڈوں کی روایت پر چل کر بلوچوں کے اِس حکمران قبیلہ کو پٹھانوں کے غلجی قبیلہ (غلزئی) سے لکھا اور اس کے تسلسل میں مینگل ، زرّک زئی ، ساتکزئی ، باروزئی ، رئیسانی ، سرپرّہ اور بنگلزئی کو نسلاً افغان تحریر کیا ہے۔ شاید ایسی قلمی حرکتوں سے انہیں روحانی تسکین ملی ہو۔ غلجی یا غلزئی قبیلہ کے بارے میں آئین اکبری (اردو ترجمہ مولوی محمد فدا علی) کے صفحہ 1108 پر لکھا ہے:۔

''کہتے ہیں کہ مست علی غوری ایک شخص نے جسے افغان متی
کہتے ہیں، بٹنی قبیلہ میں ایک لڑکی سے ناجائز تعلقات پیدا کیا۔
جب یہ تعلق زیادہ بڑھا اور قریب تھا کہ قبیلہ کی بدنامی ہوجائے

تو اِس قبیلہ نے اپنی عزّت اور آبرو کو محفوظ رکھنے کیلئے لڑکی کو غوری کے ساتھ بیاہ دیا۔ متی کے گھر میں اِس افغان لڑکی کے بطن سے تین بیٹے پیدا ہوئے جو غلزئی، لودی اور سردانی کے نام سے مشہور ہوئے۔''

15۔ محراب، احمد ایلتا زئی رئیس (بانی احمدزئی قبیلہ) کا بیٹا تھا۔ باپ کے ہمراہ براہو میروانیوں کا اتحادی بنا۔ چونکہ کچھ عرصہ سے قلات کی حکومت ان سے چھن چکی تھی اور دوبارہ بازیابی کی اُمید پر وہ براہو اتحادی میں شامل ہوئے تھے۔

16۔ قلات کو قدیم زمانوں سے روایتاً سیوا قلات کہا جاتا رہا ہے۔ لیکن بعض دفعہ ملک سیوا بھی تذکرہ میں آیا ہے۔ براہو جدگال جنگ کی منظوم داستان میں قلاتِ سیوا کی جگہ ''مُلکِ سیوا'' کا نام آیا ہے جس پر تاریخی نقطہ نظر سے بحث کرنا ضروری ہے۔ لکھنے والوں کا استدلال ہے کہ قلات پر بلوچوں کی بالادستی سے پہلے وہاں کوئی سیوا نامی ہندو راجہ کی حکومت تھی جس کے قبضہ میں زہری کا بھی علاقہ تھا۔ جہاں اس کا ''سنگین'' نامی بیٹا حکومت کرتا تھا۔ بعض لکھنے والوں نے سیوا کو ہندو راجہ نہیں بلکہ ایک ہندو خاندان کہا ہے جن کا یہ سرکاری خطاب ہوتا تھا۔ انگریز محقق ہُنری پاٹنجر نے اپنی کتاب ''سفر نامہ سندھ و بلوچستان'' میں لکھا ہے کہ:

''قلات پر صدیوں سے ایک ہندو خاندان حکومت کرتا تھا۔ اور آخری راجہ کا نام سیوا تھا۔ یا اس خاندان کے حکمران گدّی نشین ہونے کے بعد یہی لقب اختیار کرتے تھے۔ مؤخرالذکر زیادہ قرین قیاس ہے اس لئے کہ قلات اب بھی اکثر قلات سیوا کہلاتا ہے۔ جس کی اغلب وجہ فرد کی بجائے حکمرانوں کا ایک سلسلہ

ہے۔ اِلاّ یہ کہ کوئی فرد نصیر خان کی طرح عظیم اوصاف اور صفات کا حامل یا ان کی وجہ سے ممتاز رہا ہو۔ سیوا خود زیادہ تر قلات میں رہتا تھا اور اس کا اکلوتا بیٹا سنگین بطور نائب زہری میں قیام پذیر تھا۔ ان دونوں کی حکومت عادلانہ تھی اور وہ اپنی مملکت میں سوداگروں اور دیگر نو واردوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ ملتان، شکار پور اور بالائی سندھ کے مغربی حصوں کے قزاقوں کا ایک گروہ، ایک افغان سرغنہ کے تحت اور ایک رند بلوچ قبیلہ مزاری، جواب بھی تاخت و تاراج کے لئے مشہور ہے، کی حمایت کے ساتھ سارے علاقے پر بار بار شورشیں برپا کرتا رہتا تھا۔ اب تو قلات بھی ان کے نرغے میں آ چکا تھا جو ابھی ایک بے ترتیب سا گاؤں تھا۔ لہذا سیوا کو مجبوراً پہاڑی چرواہوں اور انکے سردار کو مدد کے لئے بلانا پڑا ۔(چرواہوں کا کوئی سردار نہیں ہوتا۔ نسیم) یہ سردار کمبر ہی تھا۔ اس کے آباء واجداد اصل میں حبشی بتائے جاتے ہیں (کمبر، حبشی نہیں بلکہ قبیلہ رئیس بورسوار سے تھا اور پنجگور کا حاکم تھا۔ نسیم) اور وہ خود ایک مشہور پیر کی اولاد سمجھا جاتا تھا، جس نے اپنے دور میں بہت سی کرامات دکھائی تھیں۔ اس سے کمبر اور اُس کے حامیوں کو ملک میں ایک خاص وقار اور افتخار حاصل ہو گیا۔ جو حامیوں کی مختصر تعداد اور خود کمبر کی موروثی جائداد جو پنجگور مکران میں تھی، کے بل بوتے پر حاصل کرنا ناممکن تھا۔ جھالاوان اور سراوان کے پہاڑوں پر پہلی دفعہ چڑھنے کے بعد سیوا نے اپنے ان مددگاروں کو حقیر سا وظیفہ دیا

جو بمشکل ان کی گزراوقات کے لئے کافی ہوتا تھا۔لیکن چند سالوں میں ڈاکوؤں کی سرکوبی یا ان کا قلع قمع کر کے یہ لوگ ملک کا فوجی قبیلہ بن بیٹھے ۔کمبر نے راجہ کو تخت سے اُتار دیا اور سربراہ مملکت بن کر ہندوؤں کو مسلمان بننے پر مجبور کر دیا یا مذہبی جذبے کے تحت موت کے گھاٹ اتار دیا۔سیوا چند لوگوں کے ساتھ زہری چلا گیا جہاں اُس کا بیٹا سنگین ابھی برسر اقتدار تھا۔لیکن اس کے دشمن دیگر قبائل کو حلیف بنا بنا کر یوماً فیوماً زور پکڑتے گئے ۔اور بالآخر انہیں اس پناہ گاہ سے بھی نکال دیا اور وہ شکار پور بھکر اور ملتان چلے گئے اور اپنے ہم مذہبوں میں جذب ہو گئے ۔بتایا جاتا ہے کہ سیوا اس بغاوت کے آخر میں مر گیا اور سنگین نے قید ہو کر اپنا مذہب ترک کر کے اسلام قبول کر لیا۔اس کے بہت سے پیرو بھی مسلمان ہو گئے۔''

محققین نے سیوا، سیوائی ، سیوہن اور سیوستان کو ایک ہی نام سیوا یا سیو کی مختلف شکلیں یا مختلف لہجے تسلیم کیا ہے ۔اس ضمن میں جناب جسٹس (ریٹائرڈ) خدا بخش بجارانی مری لکھتے ہیں کہ اسلام سے قبل قلات اور جھلاوان کی پہاڑیاں ہندو یا بدھ حکمرانوں کے ماتحت تھیں جو سیوا کہلاتے تھے اور لفظ سیبی اسی سے مشتق ہے۔

جناب جسٹس مری کا درج بالا تذکرہ حقیقت پر مبنی ضرور ہے کیوں کہ ہندو شاہی اور بدھ شاہی کے قدیم آثار مشرقی بلوچستان کے کوہستانوں میں موجود ہیں۔ خصوصی طور پر بدھ مت کے آثار زہری علاقے کے پہاڑی خطّے میں ہمارے مشاہدے میں آئے ہیں۔لیکن اُس زمانے میں کسی بھی سیوا حکمران یا خاندان کی موجودگی کے شواہد

نہیں ملتے۔ جہاں تک سبّی کے نام کی وجہ تسمیہ کا تعلق ہے، اسے کسی بھی صورت میں سیوا سے منسلک نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ کسی زمانے میں پنجاب کے خطّہ جھنگ اور شورکوٹ میں ایک بڑا قبیلہ ئی ئی سیوی'' موجود رہا ہے جو ''سیبّی'' میں بھی تلفظ کیا جاتا رہا ہے۔ ممکن ہے اُسی سیوی یا سیبی قبیلہ کا کوئی گروہ خانہ بدوشی میں بلوچستان کے اس خطّے تک پہنچ چکا ہو اور یہیں رہ بس کر اس گاؤں کو اپنا نام دے چکا ہو۔

سبّی نام کے ضمن میں ایک دلچسپ اور قابل غور تاریخی روایت بھی ملتی ہے۔ جسے سبّی کے ایک قدیم باسی خاندان کے ایک سو تین سالہ شخص بُوٹا ناہڑ نے روایت کیا۔ بوٹا ناہڑ کے آباواجداد سبّی کے قدیم باشندے رہے ہیں۔ ان کے آباواجداد بقول اُن کے باروزئی کمبرانی لڑائیوں کے دوران شکار پور جا کر آباد ہوئے اور پھر روزگار کے سلسلے میں ٹھٹھہ کو اپنا مستقل مسکن بنایا۔ بوٹا سے میری ملاقات اکتوبر 1986ء میں ایک جمالی دوست کے ذریعہ مکلی کے مقام شاہ عبداللہ اصحابی کے مزار پر ہوئی۔ سبّی کی وجہ تسمیہ کے بارے میں انہوں نے کہا کہ اُس نے اپنے بوڑھوں سے بارہا سنا ہے کہ یہ نام اُن جاٹوں کی مناسبت سے مشہور ہوا ہے۔ جو سیستان ایران کے شہر ''سِبّ'' سے ہجرت کر کے آئے تھے اور اپنے قدیم مسکن کی نسبت سے ''سبّی'' کہلاتے تھے یعنی سبّ سے آنے والے لوگ۔ بوٹا ناہڑ نے اصرار سے کہا کہ پرانا نام ''سبّی'' ہے اور رندوں کے بلوچی لہجے نے اسے ''سیوی'' میں بدل دیا ہے۔ اور یہ کہ جاٹ اور دیگر غیر بلوچ اس نام کو اب بھی ''سبی'' ہی کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ کتاب ''فرنٹیر اینڈ اوورسیز ایکسپیڈیشنز فرام انڈیا'' (FRONTIER AND OVERSEAS EXPENDITIONS FROM INDIA) میں جاٹوں کو سیتھی نسل کیا گیا ہے اور بلوچستان میں ان کی آمد ایک سو بیس قبل مسیح (120 ق م) بتائی گئی ہے۔

سیوستان پر بحث کرتے ہوئے ایک محقق ممتاز حسین پٹھان لکھتے ہیں کہ سیوستان کا نام قدیم زمانے میں سندھ کی وادی میں بود و باش رکھنے والا سیو یا سیوی قبیلہ کے نام پر رکھا گیا ہے۔

سیوی قبیلہ قدیم تاریخی کتابوں میں مذکور ہے۔ ''پری بدھست انڈیا'' میں سیوی کو ایک خاندان کیا گیا ہے۔ جس کے آٹھ بادشاہ ہو گزرے ہیں۔ ان کے نام ا۔ سیوی۔ ۲۔ سجنا۔ ۳۔ وسنترا۔ ۴۔ جالی۔ ۵۔ کہنا۔ ۶۔ مادا۔ ۷ پھساتی اور ۸۔ مادا رہے ہیں۔ اسی طرح مسٹر راگوزین نے جتکا کہانیوں میں بیان کردہ ''وسنترا'' کی کہانی کے حوالے سے کہا ہے کہ وسنترا بڑا سخی بادشاہ تھا اور اس کی حد سے زیادہ سخاوت کی وجہ سے سیوی عوام اور طاقتور امراء نے اسے ملک سے نکال دیا تھا۔ جتکا کہانیوں کی رو سے سیوی خاندان کا پہلا بادشاہ اُسرانا تھا جس کا بیٹا ''سیوا'' تھا۔ جس نے سیوا پور کی بنیاد رکھی تھی۔ سیوا پور کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ پنجاب کے موجودہ جھنگ اور شور کوٹ کا درمیانی علاقہ تھا۔ مذکورہ سیوا کا ایک دور افتادہ قلات تک رسائی تاریخوں میں ثابت نہیں ہے۔

سیوا کا سیوی خاندان یا اس کے بادشاہوں سے کوئی تعلق بنتا ہے یا نہیں، اس سلسلے میں بھی محققیں مختلف رائے رکھتے ہیں اور زیادہ تر اختلاف سیوا کی نام نہاد حکمرانی سے متعلق ہے جس کی نسبت سے قلات سیوا بیان ہوا ہے اور جسے قلاتِ بلوچ کا پرانا نام مانا گیا ہے۔

'' فرنیٹئر اینڈ اوورسیز ایکسپیڈیشنز فرام انڈیا'' میں ہے کہ سیوا ایک ہندو خاندان تھا جو قلات پر حکومت کرتا تھا۔ اے ڈبلیو۔ ہیوز لکھتا ہے کہ قلات صدیوں سے ہندو حکمرانوں کے ماتحت رہا تھا۔ جن کے آخری حکمران کا یا تو نام سیوا تھا یا یہ ان

شاہزادوں کا خاندانی لقب تھا جو تخت پر بیٹھنے کے بعد اختیار کرتے تھے۔ امپیریل گزیٹئر آف انڈیا، ساتویں صدی عیسوی کے بعد سیوا حکومت کی بات کو نہیں مانتا۔ کتاب ''تاچپوشی قلات 1932ء'' کے مولف مولوی دین محمد کی اس بارے میں رائے ہے کہ سیوا خاندان کے ہندو راجے مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے سے پہلے حکمران تھے۔ وہ پھر لکھتے ہیں کہ یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ہندو مذہب کے پیروکار تھے۔ یہی کچھ گزیٹئر نے بھی لکھا ہے۔ ایک بلوچ مؤرخ ملک محمد سعید دہوار سیوا حکمرانی پر شک کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> ''یہ معلوم نہیں کہ وہ کونسا سیاسی اور سماجی پس منظر تھا کہ جس کی بنا پر ایک ہندو خاندان کو عہد وسطیٰ میں قلات میں اقتدار کی کرسی پر بیٹھنے کا موقعہ ملا۔''

ملک صاحب اُس زمانے کے سیاسی و سماجی پس منظر پر بحث کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اُس زمانے میں ایسے کوئی سماجی اور سیاسی حالات نہیں تھے جن کی بنا پر ایک ہندو قلات میں برسرِ اقتدار آسکتا۔

اگر ہم اُس زمانے کے گرد و پیش کے حالات کا مختصر جائزہ لیں جب میر کمبر رئیس، حاکم پنجگور و سرحد ایک بلوچی لشکر جرّار لے کر قلات پر حملہ آور ہوتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ پہلے سے لاتعداد بلوچ قبائل علاقے میں اور مشرقی خطوں میں سندھ کی سرحد کے ساتھ ساتھ آباد ہیں۔ سندھ کے سرحدی علاقوں کے بلوچ اور افغان قبیلے وقتاً فوقتاً قلات اور آس پاس کی سرداریوں یا مقامی حکومتوں کو تنگ کرتے اور آئے دن تجارتی قافلوں کو لوٹ لیتے تھے۔ ان قبائل میں مزاری، جاموٹ، رند اور نہمردی قبیلے نمایاں ہوتے تھے۔ خطّے میں اسلام کو پھیلے صدیاں ہو چکی تھیں اور تمام گرد و پیش پر

مسلمان حکمران بالادست تھے ایسے حالات میں قلات جیسے حساس اسلامی خطّے پر کسی غیر مسلم کے حکمران ہونے کا تصوّر بھی غلط ہے۔

ہم قلات سیوا کے نام سے بلکل اختلاف نہیں رکھتے لیکن اس موقف پر بھر پور اختلاف رائے رکھتے ہیں کہ میر کمبر رئیس کے حملے کے وقت کوئی ہندو ''سیوا'' کے نام سے حاکم تھا اور اس کا بیٹا سنگین ، زہری میں اُس کا نایب تھا، جیسا کہ ہُنری پاٹنجر نے لکھا ہے۔

اس غلط موقف پر پہلا اعتراض تو یہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر حاکم ہندو تھا اور اُس کی حکومت بلوچ قبائل کے ہاتھوں خطرے میں تھی اور وہ دیکھ بھی رہا تھا کہ آس پاس کی تمام سرداریاں اور حکومتیں مسلمانوں کی ہیں تو اُس نے اپنی ہندو رعایا کو مدد کے لئے کیوں نہیں پکارا اور سینکڑوں میل دُور پنجگور کے میر کمبر کو مدد کے لئے کیوں آواز دی۔ جسے چرواہوں کا ایک معمولی سردار کہا گیا ہے اور جو ہندو نہیں مسلمان ہے اور مذہبی گھرانے کا بھی ہے اور ایک پیر اور بزرگ کی اولاد بھی ہے۔جس سے یقیناً راجہ کو اپنے اقتدار سے ہاتھ دھونے کا خطرہ لاحق ہوسکتا تھا۔دوسری طرف سندھ کا علاقہ بھی قلات سے قریب تر تھا جہاں کئی ہندوؤں کی سرداریاں بھی قائم تھیں اور ان کی آبادی بھی کافی تھی اور جن پر بہ نسبت بلوچوں کے جو پہلے ہی راجہ کو تنگ کر رہے تھے، زیادہ اعتماد کیا جاسکتا تھا۔دوسری طرف زہری میں سیوا کا بیٹا سنگین حاکم بتایا گیا ہے۔ اُس زہری میں جو اُسی زمانے میں ''زہری بلوچوں'' کا مضبوط گڑھ بھی تھا اور جو فوجی لحاظ سے اس حد تک مضبوط تھے کہ ہمسایہ حاکموں کو فوجی مدد بھی دیا کرتے تھے۔ (دیکھئے آئین اکبری اور مآثر الامرا)

ایک بلوچ بھائی اپنے دوسرے سگے بھائی کو اگر وہ حقدار نہ ہو یا کمزور ہو،

ایک لمحے کے لئے حکمرانی کرتے ہوئے برداشت نہیں کرتا تو ایک زبردست عسکری قوّت رکھنے والے قبیلہ نے ایک لاوارث ''سنگین'' کو گدّی پر کیوں کر برداشت کیا۔ جہاں تک سنگین کے نام کا تعلق ہے یہ سو فیصد بلوچی نام ہے۔ جو مردوں اور عورتوں پر یکساں رکھا جاتا ہے۔ جبکہ ہندوں میں سنگین جیسا نام کم از کم ہم نے نہیں سنا ہے۔

اس مختصر سے مطالعے کے بعد ہمیں دو راستے نظر آتے ہیں۔ ایک یہ کہ ''سیوا قلات'' صرف شہر کا نام تھا اور علاقے کا حکمران بلوچوں کا کوئی قبیلہ تھا اور جس کے تعلقات پنجگوری رئیسوں سے پہلے قائم تھے اور جسے میر کمبر کی بہادری اور اثر و رسوخ کا پورا پورا علم تھا۔ اور اُسے یقیناً میر کمبر سے کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا اور وہ بوقت ضرورت میر کمبر کو اقتدار سونپنے کے لئے بھی تیار ہوتا ہوگا دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم سیوا کو واقعی ایک ہندو حکمران تسلیم کرلیں۔ اس صورت میں ہمیں کمبر کا زمانہ نو سو سال پیچھے دھکیلنا ہوگا تب کسی ہندو راجہ سیوا کے اقتدار کا جواز مہیا ہو سکے گا۔

قلات کی روایتی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے ہندوؤں کا کہنا ہے کہ سیوا قلات دراصل اُس قدیم مندر کی نسبت سے ہے جو قلاتِ بلوچ کی میری کے نیچے صدیوں سے موجود ہے۔ میری کے اوپر کی تمام منزلیں اس مندر کی چھت سے ہٹ کر بنائی گئی تھیں۔ خوانین قلات نے اس زیرِ زمین مندر کو ہر دور میں احتراماً محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اسی لئے اس کی چھت پر انہوں نے کوئی دیوار یا کمرہ کھڑا نہیں کیا۔ خان میر محمود خان کے عہدِ حکومت تک میری کی مشرقی جانب سے مندر کے لئے ایک لمبی سرنگ جاتی تھی جو مندر کی دوسری منزل پر پہنچتی تھی اور مندر کی نچلی منزل اور فرشی کمرہ جہاں پر بُت رکھے ہوئے تھے۔ زمین کے نیچے ملبے میں دب چکی تھی۔ مندر کی یادگار قائم رکھنے کے لئے دوسری منزل پر ایک کمرہ بنایا گیا تھا تا کہ مندر کی اصل جگہ کو

مٹنے اور گمنام ہونے سے بچایا جا سکے۔ قلات کے ہندو کبھی کبھی اسی سرنگ سے مندر میں جاتے تھے۔ اس مندر کا نام ''سیوا مندر'' رہا ہے۔ یہ مندر قلعہ کے نیچے کہیں موجود رہا ہے اسی لئے اس کے اوپر تعمیر شدہ قلعہ کی عمارت بھی سیوا مندر کی نسبت سے سیوا قلات یعنی سیوا قلعہ مشہور ہوا ہے۔

''سیوا'' درحقیقت ہندوؤں کا ایک قدیم فرقہ رہا ہے جو کہ سیو فرقہ یا سیوا بتوں کے پجاریوں کا مندر رہا ہے۔ چونکہ یہ فرقہ کافی عرصہ پہلے نیست و نابود ہو چکا تھا اس لئے یہ مندر بھی گوشہ گمنامی میں چلا گیا تھا اور دوسرے فرقے کے ہندو اس مندر میں نہیں جاتے تھے۔

ہندوؤں کی مذکورہ بالا روایت معقول لگتی ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ چونکہ قلات یعنی قلعہ ''مندر سیوا'' کے ملبے کے اوپر تعمیر کیا گیا ہے اور جگہ کا نام مندر کے نام کی وجہ سے سیوا مشہور تھا اس لئے قلات (قلعہ) کا نام بھی ''سیوا قلات'' مشہور ہو گیا۔ جس کے معنی ''سیوا مندر والی جگہ کا قلعہ'' لئے جا سکتے تھے نہ کہ ''سیوا راجہ کا قلعہ''، جیسے کہ مصنّفین نے لکھا ہے۔ اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی سیوا نام کے شخص یا خاندان نے کبھی بھی قلات پر حکومت نہیں کی ہے۔

واضح ہو کہ سیوا، ہندومت کے قدیم عقیدوں میں سے ایک ہے۔ سیوا اور وشنو عقیدوں کی تبلیغ ہندوؤں کے قدیم پرانوں میں وسیع پیمانے پر کی گئی ہے۔ خصوصاً گپتا عہد میں ان دونوں عقیدوں کے لاکھوں پجاری پیدا ہوئے۔ جنہوں نے وشنو اور سیوا کے بُت بنا کر رکھے اور ان کا پوجا کیا۔ پھر ان بتوں کے کئی مندر بنے اور ان کی پجاریوں کے فرقے تشکیل پا گئے۔

ہندوؤں کے پرانوں میں مذکور دونوں دیوتاؤں کی متعدد صفات بیان کی گئی

ہیں۔اوران کی بے پناہ تعریفیں کی گئی ہیں۔742ء سے 752ء تک نئے ہندومت کا پرچار شروع ہوا۔جس میں تین دیوتاؤں کی پوجا کرنے پر سب سے زیادہ زور دیا گیا تھا۔ان میں سے ایک ''سیوا'' دوسرا ''وشنو'' اور تیسرا ''کرشنا'' تھا۔پہلے دو دیوتا ہندوؤں میں بہت مقبول ہوئے۔نامی گرامی پرچاریوں میں شنکراچاریہ کا نام قابل ذکر ہے۔جس نے انتھک تبلیغ کی۔اس پرچار کے نتیجے میں سینکڑوں کے حساب سے سیوا اور وشنو کے مندر بنائے گئے۔

ہندومت کے چھ اہم فرقے کافی مقبول رہے ہیں۔جوشیوائی، شکتائی، گناپتی، سمواپتی، وشنوئی اور سمرپتی ہیں۔شیوائی یا سیوائی، سیو یا شیو دیوتا کے ماننے والے فرقے کو کہا گیا ہے۔سیو دیوتا کو ''تباہ کرنے والا'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ہندو تاجروں نے اس دیوتا کی بڑی پبلسٹی کی ہے اور سادہ پہاڑی لوگوں کو اس سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

ایک محقق میگاسیھتنے ہندومت میں چار اہم فرقوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو ہریکلز، ڈیونیسس، زیوریس اور اومبریوس تھے جو کہ کرشنا، سیوا، وشنو اور اندرا کے ناموں سے شناخت کئے جاتے تھے۔ان میں اہم ترین سیوا ہوتا تھا۔راجہ اشوکا کا لڑکا جلوکا ''سیوا'' کے مشہور ترین پجاریوں سے تھا۔جس نے سیوا دیوتا کے نام کے سینکڑوں مندر تعمیر کرائے تھے۔ان تاریخی مندروں میں سے ایک مندر قلات کا سیوا مندر رہا ہے جو عرب، ایرانی اور ساہرائی بلوچوں کے حملوں کی زد میں آ کر تباہ ہو گیا تھا۔اس مندر کے بارے میں بعض مصنّفین نے لکھا ہے کہ قلات میں سیوا قلعہ کے نیچے ایک بُت خانہ ہے جہاں پر ''مہا کالی'' کا سنگ مرمر کا بت رکھا ہوا ہے۔

مندرجہ بالا تاریخی تحقیقی جائزے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آئی ہے کہ قلات

پر کسی سیوا راجہ یا سیوا خاندان کی کبھی بھی حکومت نہیں رہی ہے اور قلات کا نام ''سیوا مندر'' کی وجہ سے قلات سیوا پڑا ہے۔

17۔ مراد ذگر مینگلوں سے ہے جو پنجگور کی وادی گچک کا رئیس قبیلہ تھا۔ گچک میں ان کی قدیم آبادی کا نشان ''ذگرانی کوٹ'' یعنی ذگروں کی ندّی کے نام سے موجود ہے۔ ذگروں نے رندوں کے ساتھ بطرف قلات ہجرت کی اور دشت گوران میں قیام کیا۔ چونکہ تعداد میں کم تھے اور مینگل سرداری کے ماتحت ہوئے اس لئے مینگل کا نام ان پر چسپان ہو گیا۔ وگرنہ نسلی لحاظ سے وہ میروانی اور احمدزئی کے ہم نسل اور ہم قبیلہ یعنی رئیس تھے۔

میروانی سے بہ سبب نارضگی بہ طرف نوشکی چلے گئے اور جدگالوں کے خلاف جنگ میں حصّہ نہیں لیا۔ اگرچہ بعد میں صلح ہو گئی۔ کتاب ''سیستان'' کے مصنّف جی۔ پی ٹیٹ نے اِن کے حوالہ سے انہیں سمرقند کے قریب ''زغد'' نامی جگہ سے ہجرت کر کے آنے والے لکھا ہے جو کہ ٹیٹ کی سو فیصد غلط بیانی ہے۔ میر گل خان نصیر نے ذگر کو جو اُن کا اپنا قبیلہ ہے کسی ''ذکریا'' نامی شخص سے منسوب کیا ہے اور ذکریا کو برا ہو جدگال جنگ میں شامل بتایا ہے۔ جبکہ اس جنگ کی داستان میں کسی ذکریا کا نام نہیں آتا اور ذگر کا نام بطور قبیلہ آتا ہے۔ جو ثابت کرتا ہے کہ قبیلہ پہلے سے موجود رہا ہے۔

18۔ ٹوہو، قلندرانی تھا اور ہالہ قلندرانی کا بھائی اور قلندر برا ہو کا بیٹا تھا۔

19۔ گوشو کا اصل نام ''جامک'' تھا۔ لمبے کانوں کی وجہ سے اُسے ''گوشو'' کہا جاتا تھا۔ ''گوش'' بلوچی میں کانوں کو کہتے ہیں۔ یعنی لمبے کان والا۔ گوشو کا خاندان میروانیوں کے نسلی خدمتگار تھے۔ جو پنجگور تسپ کے نقیبوں سے تھے۔ میر کمبر رئیس اپنے رشتہ دار خاندانوں کی خدمت کے لئے نقیبوں کو ساتھ لایا تھا۔ نقیب دیگر غلاموں کی نسبت زیادہ وفادار اور حیادار ہوتے تھے اسی لئے سردار لوگ انہیں گھروں میں اپنے اولاد کی طرح

رکھتے تھے اور ان سے غلاموں جیسا سلوک نہیں کرتے تھے۔اسی وفاداری اور ننگ داری کے تجربہ کے پیش نظر بی بی مہنا زنے بجّار کو صرف گوشو کے پاس جانے اور اُس سے اپنا دلی مدّعا بیان کرنے کی ہدایت کی۔اور گوشو نے جدگالوں کے خلاف میروانیوں اور اس کے اتحادیوں کا بندوبست کر کے اس جنگ کو فتح سے ہمکنار کیا۔

20۔یہاں ''ملک'' سے ''مفتوحہ علاقے'' مراد ہیں اور قبائل سے مراد اس جنگ میں ''براہو میروانیوں کے اتحادی'' ہیں۔

21۔ملک دوستیں، خاران کا نوشیروانی سردار تھا۔ بڑا دلیر اور جنگو شخص تھا۔ اُسے ساتھ ملانے کا مقصد خاران کے علاقوں سے بھی جدگال لوگوں کا خاتمہ کرنا اور انہیں بیدخل کرنا تھا۔

22۔گواراں، نسلاً ہوت اور لسانی طور پر بُلفت جدگالوں سے تھا۔لیکن میروانیوں کا تحادی بنا۔دوران جنگ اس کے نام سے قبیلہ ''گوارانجو'' تشکیل پایا۔ یہ ترکیب جدگالی زبان کی ہے۔بعض گوارانجو، ''سوپک'' ساسولی کو اپنا نسلی بھائی کہتے ہیں۔ساسولی ہونے کی نسبت سے ''سوپک'' بھی بلفت قبیلہ سے تھا۔لیکن ان کی زبان جدگالی نہیں بلوچی تھی۔ان کی رشتہ داری رندوں سے تھی۔ وہ رخشان میں نوشیروانی سردار کا نائب تھا۔جس نے نوشیروانی سردار کی طرف سے جنگ میں میروانیوں کا ساتھ دیا۔میر گل خان نصیر نے اُسے ''سیاہ پھاڑ'' لکھا ہے۔سیاہ پھاڑ بھی بلفت جدگالوں سے تھا۔لیکن یہ بلوچی زبان اختیار کر چکے تھے۔اور اب میروانی کا ساتھ دے رہے تھے۔ دراصل جو بلفت طائفے یا اشخاص براہو میروانیوں کے اتحادی بنے تھے وہ اپنی ملکیتوں سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتے تھے۔انہیں میروانیوں کے غالب آنے کا یقین تھا۔اور انہوں نے اپنے دو سرکردہ شخص زنگی اور سہراب جتّ (شترپال) کی سرکردگی میں اپنے

حمایتوں کے ساتھ بجّار کی مدد کی۔ سو پک اور زنگی کے نام سے نئے قبیلہ ''سو پک'' اور ''زنگیانی'' بنے۔ زنگی کا خاندان جدگالی میں ''زنگیجو'' کہلایا۔

23۔ دیکھئے ''اشاریہ نمبر 22''

24۔ میرو براہو، بلوچ روایتی تاریخ میں کوئی گمنام شخصیت، نہیں رہی ہے۔ جس کے بارے میں مفروضات قائم کئے جائیں۔ لیکن کیا کیجئے کہ نام نہاد مصنّفین اور مورّخین نے من گھڑت کہانیاں بنا بنا کر کئی دیگر تاریخی شخصیتوں کی طرح اس شخصیت کو اندھیروں میں دھکیل دیا ہے۔ ان نام نہاد مصنّفین کا سُرخیل ''تاریخ الابرار'' کے مصنّف آخوند محمد صدیق تھے۔ جن کی بے شمار مفروضات کا ہم جائزہ لیتے آرہے ہیں۔ آخوند کے بعد کے مصنّفین نے بھی آخوند ہی کی سنّت کی پیروی کی ہے۔ میر گل خان نصیر اپنی کتاب ''بلوچستان، قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں'' کے صفحہ 36 پر میرو کو کوچ و بلوچ کے فرضی لشکر کا سردار بتاتا ہے جو ایران کے کوہ البُرز سے ایرانی شاہنشاہ انوشیروان کے حملوں کے نتیجے میں کوچ کر کے قلات کے اطراف میں آکر مقیم ہو جاتا ہے۔ اور پھر صفحہ 143 پر اپنے قبیلہ ''مینگل'' کو البرز سے آنے والا قبیلہ بتاتے ہوئے میرو کو اسی لشکر کا سربراہ لکھتا ہے:۔

''مینگل، کوہِ البُرز سے سردار میرو کی سرکردگی میں نقل مکانی کر کے قلات کے کوہستان میں آئے''

حیرت ہے کہ پھر اسی کتاب کے صفحہ 269 پر وہ اپنے اِس بیان کو بھول جاتا ہے اور کسی ''قمبر'' کو اسی بُرزکوہ کے لشکر کا سربراہ لکھتا ہے۔ اس سے قبل انہوں نے اپنی پہلی کتاب ''تاریخ بلوچستان'' کے صفحہ ۵ پر پھر اسی موقف کو اپنایا تھا اور پھر صفحہ 148۔146 پر پھر انہوں نے میرو کی بجائے ''کمبر'' کو اس لشکر کا سربراہ بتایا۔ جبکہ

دنیا کی کوئی تاریخ ایران سے بہ طرف قلات کسی مہاجرت کا ذکر نہیں کرتا۔ اور نہ اس کی کوئی تاریخی روایت موجود ہے۔ دراصل میر موصوف نے یہ کہانی ابو القاسم فردوسی کے شاہنامہ سے اخذ کیا ہے جس میں فردوسی کرمان کے قرب و جوار میں بلوچوں پر انوشیروان کے حملوں کا تذکرہ کرتا ہے۔ لیکن وہ کسی ہجرت کی بات نہیں کرتا۔ میر گل خان کے متضاد بیانات ثابت کرتے ہیں کہ میر صاحب کو نہ اپنے میرو کے بارے میں علم ہے اور نہ کمبر کے بارے میں۔ وہ من گھڑت قصّے بیان کر کے تاریخ کے قاری کو گمراہ کرتے ہیں۔ خان احمد یار خان، صالح محمد لاہڑی، ملک محمد سعید وغیروں نے انہی مفروضات کی بار بار تشہیر کی اور برا ہوئی تاریخ کو پیچیدہ بناتے رہے۔ حالانکہ میرو کے بارے میں کولواہ سے لے کر سوراب تک کے علاقے میں بیسویں لوگ اچھا خاصا جانتے ہیں اور اُس کی زندگی پر بات کر سکتے ہیں۔ جیسے کہ نظم میں کہا گیا ہے کہ وہ میروانی قبیلہ کا سردار اور ایک جنگجو شخص تھا جو کئی ہمسائے قبائل سے نبرد آزما تھا اور کئی علاقوں کا فاتح تھا۔ وہ سوراب میں مینگل قبیلہ کے شاہی زئی سردار کے انتقام میں مارا گیا۔ جس مقام پر وہ مارا گیا اُس مقام پر چیدہ (یادگار) بنایا گیا جو ابھی تک موجود ہے اور ''ہیزانی چیدہ'' کہلاتا ہے۔ پتھروں کے ڈھیر کا یہ چیدہ سوراب کے نغاڑ سے نزدیک ہے۔ نیز ملاحظہ کیجئے اشاریہ نمبر 36۔

25۔ حمّل ہیزنجہ اور نندہ ہیزنجہ نسلاً بُلفت جدگالوں سے تھے۔ لیکن نوہانی رندوں سے رشتہ ناتوں سے منسلک تھے اور علاقے میں نوہانی رندوں کی سرداری اور عملداری میں ہونے کی نسبت سے ان کا شمار نوہانی قبیلہ میں ہوتا تھا۔ دونوں سردار ہیزن بلفت کے بیٹے تھے۔ ان کا قبیلائی نام جدگالی بندش میں ہے۔ ہیزنجو سردار، عمر نوہانی کو، جسے نظم میں عمر بُزدار (بکریاں پالنے والا) کہا گیا ہے کو حمّل اور نندہ کا بھائی بتاتا ہے لیکن

عمرانی سردار گھرانہ جو اسی عمر بزدار کے نام سے تشکیل پا گیا ہے بیزنجو ہونے سے انکاری ہے ان کا کہنا ہے کہ عمر اپنے لشکر کے ساتھ بیزنجو لشکر میں شامل ہونے کی بنا پر بیزنجو کہلاتا ہے نہ کہ ان کے ہم نسل ہونے کی بنا پر۔ نیز اسی جنگ کے دوران حمّل اور نندہ اور عمر کے ناموں سے حمّلانی، نندوانی اور عمرانی قبیلے بنے (عمرانی سردار کا کہنا ہے کہ قبیلہ پہلے سے موجود تھا جسکی اکثریت نصیر آباد کو جا چکی تھی اور ہم لوگ پیچھے رہ گئے تھے اور مذکورہ عمر بُزدار خود عمرانی قبیلہ سے تھا) جدگالوں کے سرکردہ شخص یوسف کے نام سے قبیلہ ''یوسفانی'' وجود میں آیا اور وہ اس کے جدّ ٹھہرے۔ میر گل خان نصیر نے اپنی نام نہاد تاریخ میں لکھا ہے کہ حمّل بیزنجو کی سرکردگی میں نال کے لشکر کا مقابلہ جدگال لشکر سے سمان (خضدار کے قریب) کے مقام پر ہوا۔ لیکن رزمیہ نظم سمان کا نام نہیں لیتی اور صرف یہی بتاتی ہے کہ جو لشکر نال سے روانہ ہوا اُس کا مقابلہ یوسف جدگال سے ہوا اور جدگال کٹ مر کر بھاگ گئے اور گروک، نال، ہزار گنجی، وڈھ اور اورناچ سے بھی آگے نکل گئے۔ درمیان میں مند سے پورالی تک دونوں لشکروں میں زبردست لڑائیاں چلتی رہیں تا آنکہ دونوں قبیلوں میں حد بندی ہوگئی۔

26۔ ''کنّر چاری'' کا موجودہ نام ''کنّر'' ہے جو پورالی ندّی کے مشرقی سائیڈ پر موضع ''کونڈی'' کے بالمقابل ہے۔

27۔ شاعر کے مذکورہ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلاً یہ علاقے اس سے قبل میروانیوں کی مقبوضات تھیں جنہیں جدگال بعد میں کسی وقت قبضہ کر چکے تھے اور یہی مقبوضات ''براہو جدگال جنگ'' کے سبب بنے تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بیلہ لکّ سے آواران تک کے درمیانی علاقوں میں میرو اور اس کے بھائی سنجر کی سرکردگی میں قبائل سے ان کی لڑائیوں کے مختصر تذکرے قدیم بلوچی شاعری میں محفوظ ہیں۔

28۔کمبر کہدائی، میر بجّار سپریم کمانڈر کے بعد براہوا تحادیوں کا سب سے بڑا کمانڈر تھا۔اس سے قبل وہ کئی جنگوں میں تلوار کے جوہر دکھا چکا ہے۔روایتوں کے مطابق وہ میروانیوں کا داماد اور قلات کے میر ایلتا زایلتا زئی کا سالا یعنی میر احمد کا ماموں تھا۔

29۔کسی وقت میروانیوں کے ہاتھوں شاہی زئیوں کا جدّ امجد شاہی قتل ہو گیا۔شاہی زئی مینگلوں نے محمد زئی قبیلہ کے جدّ امجد محمد کے ذریعہ میروانیوں کے قلعہ نغاڑ کے حاکم اور میروانی سردار میرو براہو کو قتل کروادیا۔اس طرح دونوں قبیلوں کے درمیان دشمنی اور ناراضگی تھی۔جواب صلاح پر منتج ہوگئی تھی۔رائے ہیتو رام اپنی تاریخ بلوچستان (تلخیص از سلیم اختر ص236) میں لکھتے ہیں کہ میروانی کے ساتھ مینگل کی صلح اُس وقت ہوئی جب ملک بجّار میروانی قلات پر قابض ہوا۔

30۔حاجی سوپک کے لئے دیکھئے اشاریہ نمبر22۔

31۔گواران کے لئے دیکھئے اشاریہ نمبر22۔

32۔صلاحی، سرمستانی قبیلہ سے تھا۔پھر نئے طائفے ''صلاحی'' کا جدّ بنا۔

33۔زرّک قبیلہ کا رئیس توک تھا۔نئے طائفے ''زرّک زئی'' کا جدّ بنا۔یہ تین بھائی تھے۔ایک محمد (جدّ محمد زئی)، دوسرا شاہو (جدّ شاہو زئی خِدرانی) اور تیسرا زرّک تھا۔ایک سوتیلا بھائی دُرّک کا بھی تذکرہ کیا جاتا ہے۔جب محمد نے شاہی رند کے انتقام میں مینگلوں کے لئے میرو براہو کو قتل کیا تو میروانیوں کے انتقام کے خوف نے اِس رئیس توک گھر کو منتشر کر دیا۔محمد کو عوض میں باڈری مل گیا۔زرّک، مستونگ میں زرخیلوں کی پناہ میں گیا اور شاہو علاقہ ملخوڑ میں خدرانی قبیلہ کی پناہ میں چلا گیا۔اور آج تک اُسی کا حصّہ بن گیا۔

34۔حالد، دراصل خالد کا بلوچی لہجہ ہے۔قبیلہ کا جلمب زئی تھا۔

دوران جنگ اس کے اتحادی ''حالدانی'' کہلاتے تھے۔ وہ اس نئے قبیلہ کا جدّ تھا۔ بعد از جنگ اس کے اتحادی الگ الگ ہوئے۔ اس لئے پھر حالدانی محدود ہو کر صرف ''حالد'' رہ گیا۔ اب یہ طائفہ صرف ''حالد'' کہلاتا ہے اور میروانی کا ذیلی طائفہ ہے۔

35۔ میر حسن:۔ میر حسن کو میر گل خان نصیر نے ''تاریخ بلوچستان'' کے صفحہ 14 اور آخوند محمد صدیق نے ''تاریخ خوانین قلات'' (اخبار الابرار کے اردو ترجمے کا نام) کے صفحہ 30 پر، میر براہیم میروانی کا نواسہ لکھا ہے۔ آخوند کے دیئے گئے شجرہ نسب میں میر حسن خان میر گہرام کا بیٹا ہونے کی نسبت سے میر براہیم کا پوتا ہے۔ جسے آخوند نے اپنی تاریخ میں خانِ اوّل بتایا ہے۔ اور ان کا شجرہ نسب درج ذیل بتایا ہے:۔

''میر حسن ولد میر گہرام ولد میر ابراہیم ولد میر زرّک ولد میر زَہرا ولد میر کمبر ولد سعد ولد عمر ولد حمزہ''

آخوند نے میر حسن خان کو پہلا خان قلات بتاتے ہوئے ان کے خانی کے منصب پر آنے کے بیان میں لکھا ہے کہ:۔ میر بجّار کی وفات کے بعد مغلوں نے آ کر قلات پر قبضہ کیا۔ جس کے حکمران کو کچھ عرصہ بعد دہواروں نے قتل کر دیا۔ پھر لکھتے ہیں:۔

''مغل کو مار ڈالنے کے بعد دہوار معتبرین میر ابراہیم خان کے پاس گئے جو قمبرانیوں اور احمدزئیوں کا جدّ ہے۔ انہوں نے میر ابراہیم خان سے کہا کہ مغل دہواروں پر ظلم کرتا تھا۔ ہم نے اُسے قتل کر دیا ہے اب آپ کے پاس آئے ہیں کہ اپنے بیٹوں سے ایک کو ہم دہواروں کے ساتھ کر دیں کہ اسے لے جا کر ہم قلات کا حاکم بنائیں۔ میر ابراہیم خان نے اپنے نواسے

میر حسن خان کو دہواروں کے ساتھ بھیج دیا۔ دہواروں نے اسے
قلات لا کر حاکم بنا دیا''

(تاریخ خوانین قلات ص 29، وص 30)

میر بجّار کی وفات کے بعد میر حسن کا خانی کے منصب پر آنے کی آخوند کی بات کا حقیقت اور حقیقی تاریخ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جب میر حسن میر بجّار کے اجداد سے تھا تو وہ میر بجّار کی وفات کے بعد کس طرح خان بنتا ہے؟ اس ضمن میں آئیے اُس شجرے کی طرف جسے آخوند نے اسی کتاب میں جگہ دی ہے۔

میر حسن، میر گہرام کا بیٹا اور میر ابراہیم کا نواسہ ہے جو کہ میر احمد بن میر ایلتاز سے بارہویں پشت پر ہے۔ میر احمد براہوجد گال جنگ میں میر بجّار کا اتحادی تھا۔ جسے میر بجّار زیر مطالعہ رزمیہ داستان میں اپنا رشتہ دار کہتا ہے۔ یعنی میر احمد اور میر بجّار ہمعصر تھے۔ میر احمد، جو کہ احمدزئی خوانین کے جدّ امجد ہیں 1666ء میں قلات بلوچی کے خان بنے جسے آخوند نے میر حسن کے بعد خان بنتے ہوئے دکھایا ہے۔ جو بارہ پشت پہلے گزرا تھا۔ اگر ہر پُشت کو کم از کم بیس سال شمار کیا جائے تو میر بجّار اور میر حسن کے درمیان دو سو چالیس سال کا عرصہ حائل ہو جائے گا۔ جو اس قصّے کے من گھڑت ہونے کا ثبوت ہے۔ اب آئیے دیکھیں کہ آخوند نے اپنی تاریخ میں اس ''خان'' کی صفات کا بیان کیسے کیا ہے:۔

''میر حسن نے دہواروں سے کہا کہ میرے مویشیوں کے لئے
اور گھوڑوں کے لئے گھاس اور ہیزم کے اخراجات کا کیا
بندوبست ہوگا اور میرے مکانوں کی مرمّت اور گِلکاری کا کیا
بندوبست ہوگا۔ دہواروں نے یہ تمام اخراجات اپنے ذمّے لئے

اور کہا کہ ہم دیں گے"۔ (صفحہ نمبر 30)

کیا یہی وہ میر حسن ہے جسے آخوند نے پہلا خان قلات لکھا ہے۔ اور کیا قبیلہ دہوار اس سے بھی گیا گذرا تھا؟ دراصل ساری کہانی ہی بیہودہ اور احمقانہ ہے۔

براہوجدگال جنگ کی رزمیہ داستان ایسی فضولیات پر بحث نہیں کرتی۔ میر حسن کے بارے میں اس نظم میں مذکور ہے کہ میر بجّار اور اُس کا براہو گھرانہ میر حسن کے "سپوتوں" سے ہے۔ جس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ میر حسن کوئی اُجڈ اور گنوار شخص نہیں تھا بلکہ ایک دانا اور لیاقت رکھنے والا شخص تھا۔ جس کی نسل اُس پر فخر کرتی ہے۔ روایتاً تاریخ میں میر حسن کو قبیلہ رئیس کے طائفہ "کمبرزئی" سے کہا جاتا ہے۔ لیکن اُس کے پاس جو جنگی لشکر ہمہ وقت تیار رہتا تھا۔ وہ زیادہ تر "میروزئی" طائفہ سے مشہور تھا۔ اُسے بلوچی تاریخ میں ایک لائق، نڈر اور شمشیر زن سردار بیان کیا جاتا ہے جس نے متعدد قبائلی اور علاقائی لڑائیوں میں میروزئی قبیلہ کو فتح دلائی اور وسیع مقبوضات کا مالک بنا دیا تھا۔ ان کی سرکردگی میں جن جن لڑائیوں کے تذکرے ملتے ہیں ان میں ایرانی بلوچستان کا سراوان، آسکان، بسیمہ، مشکئے، مالار، جھاؤ، پندران و قلات کے علاقوں میں لڑی جانے والی لڑائیاں شامل ہیں۔ انہوں نے علاقہ مشکئے میں پروار گجّروں کے خلاف لڑنے کے لئے میروزئی اتحاد یہ تشکیل دی جس نے بلوچی قبائلی نظام کے تحت وسیع ہوکر "میروانی" کا نام اپنایا۔ میر حسن کی اولاد میں سنجر، شنبہ، براہیم وغیرہ نے کافی شہرت پائی۔ اُن کی زندگی کے آخری ایام اور حاکمیت کے بارے میں کوئی متفقہ روایت نہیں ملتی۔

میر گل خان نصیر نے "تاریخ بلوچستان" کے ص ۱۴ اور خان میر احمد یار خان بلوچ نے "تاریخ قوم بلوچ وخوانین بلوچ" کے ص ۳۶ پر میر حسن خان کو لاولد لکھا

ہے۔جس کی تقلید بعد کے مصنّفین نے بھی کی لیکن مذکورہ رزمیہ داستان میر بجّار وغیرہ کو ان کی نسل بتا کر اُس کے لاولد ہونے کی تردید کرتی ہے۔اور رزمیہ نظم کے موقف کی تائید اُس شجرہ نسب سے ہوتی ہے جسے ''اخبار الابرار'' کے مئولّف آخوند محمد صدیق نے شائع کیا ہے۔جس میں میر حسن کا ایک سنجر نامی بیٹا دکھایا گیا ہے۔اس طرح ثابت ہوتا ہے تاریخی رزمیہ داستان کے واقعات سچّے ہیں اور نام نہاد موّرخین مفروضات گھڑتے رہے اور تاریخ کے قاریوں کو گمراہ کرتے رہے ہیں۔پنجگور میں میر کمبر رئیس کے خاندانی نسب نامے میں میر حسن سے میر حمزہ رئیس تک نسب نامہ یوں دستیاب ہے:۔

''میر حسن خان رئیس ولد میر گہرام رئیس ولد میر ابراہیم رئیس ولد
سردار کمبر رئیس ولد سردار زہر و رئیس ولد میر سعد رئیس ولد سردار میر
عمر رئیس ولد میر بُور رئیس ولد میر حمزہ رئیس بور سوار''

36۔قلات کی تاریخ کے ضمن میں چند ایک مصنّفین نے میروانی قبیلے کی ایک تاریخی شخصیت میر وخان کے تذکرے کئے ہیں۔لیکن ان تذکروں میں کہیں بھی میر وخان کے بارے میں مکمل معلومات حاصل نہیں ہوتی ہیں۔حتّٰی کہ اُس کی نسل اور اُس کے آباو اجداد تک کے متعلق یہ مصنّفین کچھ نہیں جانتے اور صرف مفروضے گھڑتے ہیں۔تاریخ قلات اور خوانین قلات کے اہم راویوں میں سے کسی نے بھی میرو کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔جیسے ''ہسٹری آف بلوچستان اینڈ بلوچ ریس'' کے موّلف سردار خان گشکوری، مرزا احمد علی (خان خداداد خان کا درباری اہل قلم)، ''تاجپوشئ قلات 1932ء'' کے مصنف اور ایڈیٹر میونسپل گزٹ لاہور، مولوی دین محمد، خوانین قلات کی منظوم تاریخ کے شاعر قاضی نور محمد گنجابوی (خان نصیر خان کے درباری اہل قلم) اور تاریخ بلوچستان کے مئولف رائے بہادر، ہیتو رام وغیرہ۔

''بلوچستان گزیٹئر'' (تھر ودی ایجز، ص نمبر 405) نے خان قلات کے حوالے سے لکھا ہے کہ میرو خان، قریشی عربوں سے تھا اور اومان سے بلوچستان میں آیا تھا۔ خان احمد یار خان بلوچ نے اپنی تصنیف ''اِن سائیڈ بلوچستان'' میں، میرو خان کو قبیلہ میروانی کا جدّ امجد لکھا ہے اور اپنے قبیلہ احمدزئی کو میروانی کی شاخ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ اومان سے مہاجرت کر کے مکران کے کولواہ میں آباد ہوا۔ (ص 262)۔

خان صاحب کی اِس بات کو سردار خان گشکوری نے تنقید کا نشانہ بنایا اور اپنی تصنیف ''ہسٹری آف بلوچستان اینڈ بلوچ ریس'' ص 266 پر لکھا:۔

''وہ اپنے جدّ امجد (میرو) کو اومان سے آیا ہوا عرب بتاتے ہیں
لیکن ان کا یہ بیان غلط اور جھوٹ ہے۔''

خان صاحب نے اپنے اسی کتاب کے ص نمبر 260 پر میرو کو کسی ''میر کمبر'' کی نسل سے بتایا ہے۔ لیکن اُسے میر کمبر کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ جبکہ اسی کتاب کے شروع میں (ص نمبر 56) وہ میرو کو ''میر کمبر'' کی بجائے کسی ''میر سعد'' نامی شخص کا بیٹا بتاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ وہ پہلے سیستان میں اور پھر خاران اور چاغی میں کافی عرصہ رہا اور پھر سوراب اور مارآپ سے ہوتا ہوا سیاہ کُمب آیا۔ جبکہ کتاب کے صفحہ 262 پر وہ اومان سے کولواہ مکران میں مہاجرت کی بات لکھتا ہے۔ یہ متضاد دعوے ثابت کرتے ہیں کہ انہیں اپنے اجداد اور اپنی تاریخ کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے اور انھوں نے من گھڑت بیانات کا سہارا لیا ہے۔

ایک دوسری کتاب ''فرنٹیئر اینڈ اوورسیز ایکسپیڈیشنز فرام انڈیا'' میں ہے کہ میرو اور اُس سے منسوب قبیلہ میروانی، شام کے حلب سے آئے ہوئے ہیں۔ چونکہ بلوچوں کے رند قبائل کی قدیم شاعری میں مذکور ہے کہ وہ حلب سے آئے ہیں اور میر

حمزہ کی اولاد ہیں۔ اسی بنا پر اس مقبول عام روایت کو ہر بلوچ قبیلہ اپنی تاریخ سے منسوب کرنے پر فخر محسوس کرتا ہے۔ اکثر مصنّفین نے رندوں کی اسی شاعری کو جو ''نسب نامہ'' کے نام سے معروف ہے بنیاد بنا کر یہ موقف اپنایا کہ بلوچ عربی النسل ہیں اور شام کے حلب سے ہجرت کر کے آئے ہیں۔ حالانکہ اس طویل نظم میں رندوں کا قومی شاعر واضح طور پر کہتا ہے کہ ''ہم'' (رند قبائل) حلب سے آئے ہیں۔ اور میر حمزہ کی نسل سے ہیں۔ اس نظم میں کہیں بھی یہ مذکور نہیں ہے کہ ''بلوچ'' حلب سے آئے ہیں اور میر حمزہ کی اولاد ہیں۔ لیکن مصنّفین نے ازخود ''ہم'' (رند) کی بجائے لفظ ''بلوچ'' استعمال کیا جو کہ نظم میں مذکور نہیں ہے۔ میروانیوں نے بھی دراصل اسی معروف روایت کو اپنایا جس کا تذکرہ انگریزوں اور اُن کے خوشہ چینوں نے بار بار کیا۔

میر گل خان نصیر نے اپنی کتاب ''تاریخ بلوچستان'' کے صفحہ ۵ پر لکھا ہے کہ کرمان کے ''برزکوہ'' سے کوچ بلوچ قبائل کے لشکر ایرانی بادشاہ نوشیروان کے حملوں کے نتیجے میں نقل مکانی کر کے گرم سیر وغیرہ چلے آئے جہاں سے وہ سردار میرو کی سرکردگی میں چاغی و خاران سے ہوتے ہوئے مارآپ اور سیاہ کُمب کے کوہستان میں پہنچے۔ اپنی دوسری کتاب ''کوچ و بلوچ'' میں بھی انہوں نے اسی موقف کو دہرایا۔ لیکن انہوں نے میرو کی بجائے کسی کمبر نامی شخص کو اسی بُرز کوہی لشکر کا سردار لکھا ہے صفحہ (148۔146)۔ یہ تضادات اس چیز کا ثبوت ہیں کہ مصنّف نہ کوچ و بلوچ کے بارے میں صحیح معلومات رکھتے ہیں اور نہ کہ اپنے بیان کردہ میرو اور کمبر کے متعلق جانتے ہیں۔ بلکہ وہ فرضی اور من گھڑت واقعات کے چکّر میں پھنس گئے ہیں:۔

تاریخی دروغ گوئی کے اس طوفانی دوڑ میں ایک نیا سوار بھی شامل ہو گیا ہے جنہوں نے تمام سابقین کو بھرپور جعل سازیوں سے مات دینے کی ٹھانی۔ انہوں نے

ضرورت محسوس نہیں کی کہ کتابیں کھنگال لے یا قبائل سے رابطہ کرنیکی تکلیف اٹھائے اورخواہ مخواہ کے حوالہ جات کے چکّر میں پڑے۔انہوں نے سب سے آسان راستہ یہ پسند کیا کہ اپنی مدّون ہونے والی چھ جلدوں میں آنے والی تاریخ کے لئے ایک من گھڑت کتاب ''کوردگال نامک'' مستونگی فارسی میں تحریر کی۔جوانہیں اچھی طرح آتی ہے۔ اوراس کتاب کو اپنی چھ جلدوں میں مدون ہونے والی تاریخ کا ماخذ بنانے کی خاطر ایک نامی گرامی مرے ہوئے شخص آخوند محمد صالح کے نام سے شائع کیااوراس کے اور مستقبل میں آنے والی اپنی تاریخی کتاب کے اخراجات بلوچی اکیڈمی کے کھاتے میں ڈالے جواُن دنوں اِنہی کے گروپ کے ہاتھوں یرغمال تھی۔یادرہے کہ آخوند محمد صالح نے اپنی زندگی میں تحریر کاایک پُرزہ بھی نہیں چھوڑا ہے۔اگر وہ ایسی کوئی کتاب لکھتا تو خوانین قلات اوران کے درباری قلمکار اور عہدیدار آخوند محمد صدیق کو فرضی داستانیں دہواروں کی ڈکٹیشن پر لکھنے نہیں پڑتے اور یہ کتاب صدیوں تک دنیا کی نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکتا تھا۔اس سوفیصد جعلی کتاب کی بنیاد پر اپنی چھ جلدوں والی تاریخ کے چہارم کے صفحہ ۴۰ پر مصنّف میرومیروانی کو 3 مارچ 1405ء کو اور پھر صفحہ 54 پر مورخہ 2 جنوری 1410ء کو حکمرانی کے مسند پر بٹھا کر دکھاتے ہیں۔کتنا بڑا کمال ہے کہ جوشخص اپنے دو پشت گذرے اجداد کے تاریخ وفات نہیں بتا سکتا وہ چھ سوسال قبل تاریخ حکمرانی پلک جھپکتے بتا دیتا ہے جو روئے زمین کی کسی تاریخ سے بھی ثابت نہیں ہے۔جو میرو 1410ء کو قلات کے مسندِ حکمرانی پر بیٹھتا ہے۔اُس کا بیٹا میر عمر 30۔1620ء کے لگ بھگ سوراب کے اپنے قلعے پر جدگالوں کے حملے میں مارا جاتا ہے۔یعنی باپ اور بیٹے کے درمیان زمان کا فاصلہ دوسوسال کا ہے۔دوسرے لفظوں میں میر عمر اپنے باپ میرو سے دوسوسال چھوٹے تھے۔

قدیم بلوچی روایتیں اور بلوچی رزمیہ شاعری دیگر متعدد تاریخی واقعات کی طرح زیر بحث موضوع پر بھی بہت کچھ روشنی ڈالتی ہیں۔میروانی قبیلہ کی تاریخی روایتیں بتاتی ہیں کہ میروانی قبیلہ کا جدّ امجد میرو نامی شخص ہو گزرا ہے جو ان کی قبائلی تاریخ کا ایک جنگجو شخص رہا ہے اور اسی صفت کی بنا پر اُس کے نام سے قبیلہ تشکیل پا گیا ہے۔وہ اپنے زمانے میں میروانی قبیلہ کا سردار تھا۔جس نے کولواہ میں رندوں سے لڑائی کی اور وڈھ اور سوراب کے علاقوں میں آباد میروانیوں کے مفادات کے لئے لڑتے رہے۔وہ علاقہ پنجگور کے میر کمبر رئیس اور براہیم عرف براہو کی نسل سے تھے۔ نہ وہ کہیں باہر سے آیا تھا اور نہ کہ کسی مہاجر گروہ سے متعلق تھا۔اس کے بارے میں بیان کردہ تمام باتیں غیر حقیقی اور دروغ گوئی ہیں۔ اِسی طرح نہ اُس کا قلات اور اس کی حکمرانی سے کوئی تعلق تھا اور نہ کہ قلات پر میروانیوں کا کوئی دعویٰ رہا ہے۔

میرو کے بارے میں مختصر تاریخی معلومات کا واحد مستند ماخذ یہی بلوچی رزمیہ شاعری ہے جس میں براہوئی تاریخ پوری طرح سمائی ہوئی ہے۔لیکن اس میں کہیں بھی یہ کہا نہیں گیا ہے کہ میرو میروانی کا قلات کی حکمرانی سے کبھی کوئی تعلق رہا ہے اور نہ کہ قلات پر میروانی قبیلہ کی بالادستی کا ذکر ہے جبکہ میر احمد ایلتا زئی (جدّ احمدزئی)، محراب ایلتا زئی اور کمبر کہدائی (جدّ کمبرانی) کا تذکرہ سیوا قلات کے حوالہ سے کیا گیا ہے۔

37۔میر عمر براہو کے لئے پچھلے صفحات ملاحظہ کیجئے۔

38۔میر بجّار میر عمر براہو میروانی کا بیٹا تھا۔اور سردار گھرانہ طائفہ ''براہو'' سے ہونے کی بنا پر میر بجّار براہو'' کہلاتا تھا۔قلعہ نغاڑ پر جدگال لشکر کے حملہ کے نتیجے میں اس کا باپ میر عمر براہو مارا گیا۔اس وقت بجّار کمسن تھا جسے اس کی ماں لے کر اپنے رشتہ داروں میں گئی۔اور بھرپور جوانی تک اس کی ایسی تربیت کی کہ بڑا ہو کر اپنے باپ کے دشمنوں

سے انتقام لے سکے۔

میر بجّار سے متعلق بھی مورّخین نے مفروضوں اور اندازوں سے کام لیا ہے۔ اور فرضی اور غیر حقیقی واقعات بیان کئے ہیں۔ مثلاً آخوند محمد صدیق نے اپنی تصنیف ''اخبار الابرار'' میں لکھا۔

''میر عمر میروانی کے قتل کے وقت اس کا بیٹا کمسن تھا۔ اس کا نام بجّار تھا۔ اس کی والدہ اسے ساتھ لے کر مستونگ چلی گئی۔ وہاں پر بجّار کی والدہ نے خواجہ خیل قبیلہ کے کسی فرد سے شادی کر لی''

مندرجہ کہانی کو تقریباً تمام مورّخین نے اپنی تصنیفوں میں دہرایا۔ کسی نے آخوند کے حوالہ سے درج کیا، کسی نے اپنی طرف سے لکھا۔ لیکن اس کی صحیح یا غلط ہونے کی تحقیق کسی نے نہیں کی۔ براہوجدگال جنگ کی رزمیہ داستان نے مورّخین کے مذکورہ بیان کو کلّی طور پر رد کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ میر بجّار کی ماں بی بی مہنا زقلعہ نغاڑ پر جدگال لشکر کے حملے کے دوران اپنے بچے کو لے کر قلعہ سے بھاگ گئی اور پشین میں اپنے لوگوں میں گئی۔ داستان میں اُسے ''خواجہ'' قبیلہ سے اور سیّد زادی کہا گیا ہے۔ مستونگ اور مستونگ کے خواجہ خیلوں کا ذکر اس رزمیہ داستان میں کہیں بھی نہیں ہے۔ اور نہ کہ یہ ذکر موجود ہے کہ اس کی ماں نے مستونگ میں کسی خواجہ خیل سے شادی کی تھی۔ اس کے علاوہ اُس کی کوئی اولاد ماسوائے بجّار کے نہیں ہے۔ جو دوسرے شوہر کی نسبت سے خواجہ خیل کہلاتی ہو۔ اسی کتاب میں آخوند اِس سلسلے کو بڑھاتے ہوئے میر بجّار کی سوراب کی طرف جانے اور اپنے دشمنوں سے اپنے باپ اور قبیلہ کا انتقام لینے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میر بجّار جب بڑا ہوا، انتقام کا جذبہ اُس کے سر چڑھا۔ خواجہ

خیلوں سے اُس نے جانے کی اجازت طلب کی۔ خواجہ خیل چونکہ
کمزور لوگ تھے۔ اُسے امداد دینے اور اُس کی حمایت کرنے کی
طاقت نہیں رکھتے تھے۔ اُسے جانے کی اجازت دے دی۔ ایک
گھوڑا اسلحہ اور کچھ نقد رقم بھی انہوں نے اسے دی" (ص 25)

مذکورہ رزمیہ نظم کا بیان، آخوند کے مندرجہ بالا بیان کو بھی قبول نہیں کرتا۔ نظم کے مطابق ایک دن بجّار نے انتہائی افسردگی کے عالم میں اپنی ماں بی بی مہناز سے کہا کہ دشمنوں نے عمر ولد میرو کو قتل کر کے ڈنّ سے سوراب تک کے براہو ملک کو برباد کر دیا اور میرے عزیز و اقرباء کو اپنے علاقوں سے دربدر کر دیا ہے۔ ان میں سے اکثر جدگال سے انتقام لینے کے لئے بے چین ہیں۔ بربای اور تباہی کے اس واقعہ نے میرے منہ پر کالک مل دی ہے۔ اب میں اس عاجزانہ زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔ یا تو میں اپنے باپ اور قبیلے کے انتقام میں سوراب اور نغاڑ کو جدگالوں کی نعشوں سے بھر دوں گا یا پھر باپ کے نقش قدم پر چل کر جان دوں گا۔

نظم کے مطابق اُس کی ماں نے یہ باتیں سُن کر بجّار کو سوراب کی طرف جانے کی اجازت دیتے ہوئے کہا کہ اپنی تلوار کمر سے باندھ لو اور سوراب جا کر اپنے باپ کے وفادار غلام گوشو سے مل لو اور اپنے منصوبے سے اسے آگاہ کرو اور اُس کی ہدایات پر عمل کرو۔

براہو جدگال جنگ کی یہ رزمیہ داستان میں کہیں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ بجّار خواجہ خیلوں کے پاس تھا، یا اُس نے اپنا ندعا خواجہ خیلوں سے بیان کیا۔ بلکہ جیسے کہ ہم نے پہلے کہا ہے کہ پوری رزمیہ داستان میں کہیں بھی مستونگ اور خواجہ خیلوں کا ذرّہ بھر تذکرہ نہیں آتا۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس پوری کہانی میں خواجہ خیلوں کا کوئی کردار نہیں رہا ہے۔اور آخوند کا قلم بلا مقصد اور غلط طور پر خواجہ خیلوں کے حق میں استعمال کیا گیا ہے۔

آخوند محمد صدیق کی یہ فرضی کہانی یہاں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ آگے اسی دروغ گوئی کے ساتھ چلتی ہے۔مزید لکھتے ہیں:۔

''میر بجّار انتقام لینے کے ارادے سے جب منگچر پہنچا تو وہاں پر کچھ زمیندار اپنے کھیتوں میں پانی دے رہے تھے۔میر بجّار نے ان سے مَندو حاکم قلات کا حال پوچھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔زمیندار وں نے بتایا کہ مندو قلات پر حکومت کر رہا ہے۔میر عمر مارا گیا ہے اور دوسرے تمام میروانی در بدر و خراب وخوار ہو گئے ہیں۔میر عمر کا بیٹا بجّار مستونگ میں خواجہ خیلوں کے پاس پڑا ہوا ہے۔اُن سے روٹی کے ٹکڑے لے کر کھاتا ہے۔تب میر عمر کے بیٹے بجّار نے کہا کہ بجّار میں ہوں اور اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے کے لئے آیا ہوں۔زمینداروں نے بجّار سے کہا کہ اس تمام علاقے میں بلوچ پھیلے ہوئے ہیں، اپنا نام ظاہر نہ کرو کہ مارے جاؤ گے۔اُس نے زمینداروں سے کہا کہ تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو۔انہوں نے بجّار سے کہا کہ سیاہی اور اس کے بیٹے قلات کے قریب چھپّر میں رہتے ہیں۔سیاہی، رئیس کا بیٹا ہے اس لئے ان کو رئیسانی کہتے ہیں۔تم اُس کے پاس جا کر اپنے کام کے لئے اُس سے مشورہ کرو۔''

(صفحہ 25_26)

مذکورہ رزمیہ داستان آخوند کے اس قصّے کو تسلیم نہیں کرتی بلکہ کہتی ہے میر بجّار اپنے جدگال دشمنوں سے انتقام لینے کے ارادے سے، اپنی ماں سے اجازت لے کر سوراب کے لئے روانہ ہوا۔ بی بی مہناز نے اُسے سوراب میں اپنے خاندانی وفادار غلام گوشو کو تلاش کرنے اور اُس سے مشورہ کرنے اور جنگ کی منصوبہ بندی کرنے کی ہدایت کی اُسکی ماں نے اسے گوشو کو پہچاننے کے لئے گوشو کی خاص خاص نشانیاں بھی بتادیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میر بجّار اپنے معلوم دشمنوں کے پیچھے جانے کی بجائے منگچر میں ٹھہرے۔ اور جدگالوں کو چھوڑ کر رندوں اور حاکم قلات کے بارے میں پوچھتا پھرے اور وہ بھی ہر خاص و عام سے جن کی قومیت تک کا اُسے پتّہ نہ تھا۔ پھر آخوند کی زبانی، منگچر کے زمیندار اُسے قلات کے چھپّر میں سیاہی ولد رئیس کا بتاتے ہیں کہ اُس سے مشورہ کرو۔ جبکہ سیاہی اُس کے قبیلہ کا بھی نہیں ہے۔ ڈیڑھ دوسو سال بعد مصنّفین سیاہی کو رند قبیلہ سے لکھتے ہوئے اس کا سارا شجرہ بتاتے ہیں تو کیا میر بجّار اور اِس کے قبیلہ یا خاندان والوں کو معلوم نہ ہوا ہوگا کہ سیاہی رند قبیلہ سے ہے۔ اور اگر بجّار کے دشمن رند ہیں تو پھر وہ سیاہی سے کیوں کر بچ کر زندہ لوٹے گا۔ دراصل ساری کہانی من گھڑت ہے اور رزمیہ داستان ہی اصل حقائق سے پردہ اٹھا رہی ہے۔ آخوند صاحب کی مزید گُل افشانیاں دیکھئے:۔

> ”منگچر سے میر بجّار سیاہی خاندان کے پاس گیا۔ جب وہاں پہنچا تو ظاہر کیا کہ میں ہی میر عمر میروانی کا بیٹا ہوں اور میرا نام بجّار ہے۔ تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ میری مدد کرو اور قلات پر قبضہ کر کے اُسے میرے سپرد کردو۔ سیاہی نے بجّار کے جواب میں کہا کہ قلات حاکم کے خلاف سیالداری کی لڑائی

میں نہیں لڑ سکتا۔لیکن آپ کو بھی اپنے گھر سے نہیں نکال سکتا۔
اور نہ ہی لشکر جمع کر کے قلات پر حملہ کرنے کو آپ کے ساتھ
آسکتا ہوں۔البتہ اگر کبھی قلات کا حاکم لشکر لے کر آپ کو گرفتار
کرلے اور مار ڈالنے کو آئے تب میں اپنا سر کٹوا دوگا۔لیکن
آپ کو گرفتار کرنے اور مارنے نہیں دوگا۔'' (صفحہ 26)

رزمیہ نظم ایسی بے سروپا باتوں سے خالی ہے نہ وہ رندوں کو میروانیوں کا دشمن کہتی ہے اور نہ بجّار کا کسی سیاہی سے بات اور مشورہ کرنے کا تذکرہ کرتی ہے۔نظم میں نہ سیاہی کا ذکر ہے نہ رئیس اور رئیسانی کا۔ جیسے کہ اوپر کہا گیا ہے کہ بجّار اپنی والدہ کی ہدایت کے مطابق سوراب کو روانہ ہوا۔آخوند نے اپنی خودساختہ کہانی میں کہا ہے کہ سیاہی اور بیٹوں نے میر بجّار کو کسی قسم کی مدد دینے سے صاف انکار کیا تھا۔لیکن اس کے باوجود لکھتے ہیں:۔

''بعد ازاں میر بجّار، سیاہی اور اس کے بیٹوں نے آپس میں
ساز باز کی۔ایک لشکر ساتھ لے کر منگچر سے مَندو کے اونٹوں
کے گلّے کو ہانکلائے۔مندوانیوں کے لشکر نے راستے میں اُن کو
آلیا اور لڑائی واقع ہوئی مندو کے لشکر کے چند نفر مارے
گئے۔باقی لشکر شکست کھا کر پسپا ہوا۔سیاہی کے بیٹوں کی طرف
سے چار گھوڑے مارے گئے۔سیاہی نے اپنے گھوڑوں کے
لئے بہت افسوس کیا۔یہاں تک کہ اپنے بیٹوں سے کہا کہ کاش
تم میں سے بھی ایک میرے گھوڑوں کے ساتھ مارا جاتا۔بجّار
نے سیاہی سے کہا کہ اگر حق تعالیٰ نے مجھے قلات دلادیا تو انشاء

اللہ تمہارے گھوڑوں کا عوض تم کو دیا جائیگا۔" (صفحہ 26۔27)

حیرت ہے جب سیاہی نے میر بجّار کو مدد کرنے کے بارے میں کورا سا جواب دیا تھا تو پھر اچانک وہ بجّار کے ساتھ کیوں کر ساز باز میں شامل ہوئے اور پھر بجائے قلات جا کر مندو رند حاکم قلات سے لڑتے سیدھا واپس منگچر جا کر مندوانیوں کے اونٹوں کے گلّے چُرا لائے۔ یہ عجیب مورّخ ہے ایک جگہ بجّار کو ایک قبائلی منتقم اور سردار زادہ بتاتا ہے جو جدگال دشمنوں کو جانتے ہوئے رند حاکم قلات کو قتل کرنے اور قلات کا حاکم بننے کا خواہشمند ہے دوسری جگہ اُسے ایک ڈاکو اور چور بتاتا ہے جو حاکم قلات سے لڑنے کی بجائے منگچر ڈکیتی ڈالنے چلا جاتا ہے۔ پھر جب لڑائی میں سیاہی کے گھوڑوں کو مرتا ہوا بتاتا ہے وہاں پر ایک سنگدل اور لالچی باپ کے روپ میں سیاہی کو پیش کرتا ہے جسے اپنی اولاد سے ایک گھوڑا زیادہ عزیز ہے۔ جو کہتا ہے کہ گھوڑوں کے بدلے بیٹے کیوں نہیں مرے۔ انسانی نفسیات کو اس شکل میں پیش کرنا کسی اُجد گنوار شخص کا کام شاید ہو مورّخ اور قلمکار کا کام نہیں ہوسکتا۔

مذکورہ رزمیہ داستان ایسی بے سروپا اور لغو حکایات سے خالی ہے۔ لیکن آخوند صاحب کی لغویات ختم نہیں ہوتیں:۔

> "پھر ایسا ہوا کہ برا ہوئی قبائل جو پہاڑوں میں منتشر ہو چکے تھے، میر بجّار اور رئیس سیاہی کے پاس جمع ہوئے۔ بلوچ قبائل مندو کے پاس جمع ہو چکے تھے۔ میر بجّار اور سیاہی نے دھوم دھام سے لڑائی کے لئے قلات کا رخ کیا۔ ان کے درمیان شہر سے باہر لڑائی ہوئی۔ مندو مارا گیا اور بلوچوں کے لشکر کو شکست ہوئی۔ مندو کی قبر قلات کے قلعہ کے اُس دروازے کے سامنے

جو مستنگی دروازہ کہلاتا ہے، موجود ہے۔ بعدازاں میر بجّار نے علاقہ سوراب اور وڈھ میں بلوچوں کو قتل کیا اور قبیلہ مینگل کو وڈھ میں بٹھایا۔ وڈھ میں ایک علاقہ ہے جسے وہیر کہتے ہیں وہ رئیسانیوں کو دیا۔ جو سیاہی زئی کہلاتے ہیں۔ اب تک وہیر کا علاقہ ان کے پاس ہے۔ قلات کے جوئے دو دران سے چار شبانہ آب مع زمین سیاہی رئیس کے بیٹوں کو ان کے چار گھوڑوں کے عوض میں اور چھپر کی اراضیات خشکابہ بھی ان کو دیئے۔ یہ اراضیات اور جوئے دو دران سے تھوڑا سا حصّہ اب تک ان کے پاس ہے۔'' (صفحہ 27۔28)

جیسا کہ اوپر لکھا گیا کہ یہ آخوندی لغویات ہیں کہ نہ جن کی زبانی روایات دستیاب ہیں اور نہ مذکورہ تاریخی داستان میں ان کہانیوں کو جگہ دی گئی ہے۔ آخوند نے میر بجّار اور رئیس سیاہی کے پاس ''پہاڑوں میں منتشر ہونے والے براہوئیوں'' کے جمع ہونے کی بات کی ہے۔ جو براہوئی تشکیل سے ان کی عدم واقفیت ثابت کرتی ہے۔ میر بجّار اور جدگال قبائل کے درمیان ہونے والی لڑائی کے دوران ''براہوئی نام'' یا اصطلاح وجود نہیں رکھتا تھا۔ ہر قبیلہ اپنے اصل نام سے پہچانا جاتا تھا۔ صرف میر بجّار کا طائفہ ''براہو'' شہرت رکھتا تھا اور براہو کا لفظ میروانی کے ساتھ استعمال ہوتا تھا۔ جیسے بجّار براہو میروانی، عمر براہو میروانی، میرو براہو میروانی وغیرہ۔ ''براہوئی'' کی اصطلاح جنگ کے اختتام پر مقبوضات کی تقسیم اور براہو میروانیوں کے اتحادی لشکروں کے سرکردہ اشخاص کی، اُن کی نسبت سے تشکیل پانے والے نئے قبیلوں کے نئے سردار کی حیثیت سے دستار بندی کے وقت مروّج ہوا۔ یہ نئے سردار اور ان کے نو تشکیل شدہ گروہ

یا طائفے میروانی سردار گھرانہ ''براہو'' کے اتحادی ہونے کی بنا پر نئے نام ''براہوئی'' سے معروف ہوئے۔ اس اتحادیہ کا چیف سردار میر بجّار براہو میروانی مقرر ہوا۔ جسے اتحادیہ کے نئے قبیلوں کے نئے سرداروں نے باری باری دستار بندی کی۔ یہ تمام اتحادی سوراب کے نغاڑ میں جمع تھے۔ نہ بجّار قلات میں تھا نہ قلات میں ان دنوں براہوئی اصطلاح مروج تھی۔ قلات کا پہلا براہوئی خان سابق خوانین بلوچ کا یک شاہزادہ میر احمد ایلتا زئی ہوا جو میر بجّار براہو کا رشتہ دار اتحادی تھا۔ جسے کھڈ مستونگ سے قلعہ خضدار تک کا علاقہ جنگی خدمات کے عوض دیا گیا۔ وہ بھی اس لئے کہ اس خطے کے درمیانی اکثر علاقے اُس کے معزول خوانین اجداد کی بالادستی میں رہے تھے۔ تحریری دنیا میں لفظ ''براہوئی'' کا سب سے پہلا استعمال اٹھارویں صدی عیسوی میں سندھ کی تاریخ ''تحفۃ الکرام (فارسی) بخش اوّل، جلد سوئم کے ص 422 پر خان عبداللہ خان کے لئے کیا گیا ہے۔ اور اُسے ''براہوئی خان'' لکھا ہے۔ کتاب میں اُن کا شجرہ نسب یوں درج کیا گیا ہے۔

''عبداللہ خان بن سمندر خان بلوچ بروہی زمیندار عمدہ سرحد قندھار۔''

آخوند کا یہ کہنا کہ دوسری طرف بلوچ قبائل میر مندو حاکم قلات کے پاس جمع ہو چکے تھے۔ آخوند نے یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ بلوچ سے ان کی مراد کن قبائل سے ہے۔ قبائل تو سارے بلوچ تھے۔ بجّار بھی میروانی بلوچ تھا۔ جس کا مدّ مقابل سارے جدگال قبائل تھے اور وہ بھی غیر بلوچ نہیں تھے صرف سندھی زبان اپنانے کی وجہ سے جدگال کہلاتے تھے۔ دراصل آخوند نے لفظ بلوچ کا استعمال رند قبائل کے لئے کیا ہے۔ لیکن اُس زمانے میں وہ بلوچ سے زیادہ رند ہی کہلاتے تھے۔ بہرحال آخوند کا یہ لکھنا کہ رند قبائل وغیرہ مندو کے پاس جمع ہو چکے تھے بھی ایک بے بنیاد اور من گھڑت

بات ہے۔ جب میر بجّار کی لڑائی مندو سے ہوئی ہی نہیں ہے تو رندوں کا مندو کے پاس جمع ہونا ایک جھوٹی کہانی ہے۔ مندو رند سردار چاکر کے زمانے میں قلعہ نیچارہ پر حاکم تھا اور قلات سیوا اُس کے حلقہ اقتدار سے الگ تھا۔ وہ زمانہ، میر بجّار کے زمانے سے تقریباً ایک سو چالیس سال قبل کا زمانہ ہے۔ جب میر بجّار اور مندو ہمعصر ہی نہیں تھے تو لڑائی کیوں کر ہوئی۔ میر مندو کو نیچارہ قلات کی حاکمیت سے میر کمبر رئیس نے مذاکرات کے ذریعہ دستبردار کرایا تھا۔ تفصیل کے لئے کتاب ''کمبران'' کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

آگے آخوند صاحب لکھتے ہیں کہ میر بجّار اور مندو رند کے لشکروں کے مابین لڑائی ہوگئی اور میر مندو مارا گیا۔ پھر وہ میر مندو کی قبر کی نشاندہی کر کے کہتے ہیں کہ قلات کے قلعہ کے اُس دروازے کے سامنے جو مستونگی دروازہ کہلاتا ہے، موجود ہے۔ جبکہ اسی قبر کو ملک سعید دہوار اپنی کتاب ''تاریخ بلوچستان'' مطبوعہ بلوچی اکیڈمی (2007ء) کے ص 419 پر ''میر عمر میروانی'' کا بتاتے ہیں اور اسی کتاب کے ص 438 پر اُسے ''میر مندو'' کا لکھتے ہیں۔ دونوں حوالے انہوں نے آخوند محمد صدیق کی اسی کتاب یعنی اخبار الابرار کے دیئے ہیں جبکہ آخوند نے اپنی کتاب میں میر عمر میروانی کے قبر کی نشاندہی نہیں کی ہے۔

براہوجدگال جنگ کی رزمیہ داستان میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ یہ لڑائی جدگال قبائل کے ساتھ رہی ہے اور اس نے تاریخ قلات کے ضمن میں بیان کردہ بیشتر مفروضوں کو بے بنیاد اور دروغ گوئی ثابت کی ہے۔ میر مندو حاکم قلات کے بارے میں آخوند، گل خان نصیر، ملک سعید دہوار وغیرہا کے بیانات تمام تر مفروضے اور ان کی گردانیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ رند سردار چاکر خان جب قلات سے سیوی چلے گئے تو

انہوں نے قبیلہ پھر رند کی شخصیت میر مندو کو حاکم مقرر کیا۔لیکن جب سیوی سے پنجاب گئے تو وہاں سے میر مندو کو اپنے ہاں بلایا۔ اِس دوران حاکم پنجگور میر کمبر رئیس اُسے قلات کی حکمرانی سے دستبردار کرا چکا تھا۔قلات سے میر مندو سیوی چلا گیا اور وہاں سے پنجاب روانہ ہوا اور پاک پتن میں قیام پذیر ہوا تھا۔دو اہم تاریخی کتب ''تاریخ شیر شاہی'' اور ''مقاماتِ داؤدی'' میں میر مندو رند کے تذکرے ملتے ہیں۔

''مقامات داؤدی''، حضرت مخدوم شاہ داؤد بندگی قادری علیہ الرحمۃ کی تصنیف ہے جو 1056ھ مکمل ہوئی ہے۔جناب نور احمد فریدی، مصنّف ''بلوچ قوم اور اُس کی تاریخ'' میں لکھتے ہیں کہ یہ کتاب سردار چاکر خان رند کی رحلت کے صرف چوراسی سال بعد لکھی گئی ہے۔

جناب مولانا نور احمد فریدی صاحب، پنجاب کی بلوچ ریاست کے مرکز ''ست گڑھ'' کے حالات پر بحث کرتے ہوئے ''تاریخ شیر شاہی'' اور ''مقامات داؤدی'' کے حوالوں سے میر مندو کے بارے میں لکھتے ہیں کہ پاکپتن میر مندو رند کی تحویل میں تھا اُس نے بھی بلوچوں کو سردار کے حکم کی تعمیل میں روجھان روانہ کر دیا تھا صرف اقربا اور بال بچے باقی رہ گئے تھے جنہیں روانہ کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ دفعتاً فتح خان پہنچ گیا اور پناہ کا طالب ہوا۔اگرچہ مندو خان کے پاس تین سو سے زیادہ سپاہی نہیں تھے تاہم اُس نے ایک در پر آئے ہوئے پناہ گیر کو مایوس کرنا بلوچی حمیّت کے خلاف جانا اور قلعے کا دروازہ کھلوا کر اُسے اندر بلایا۔ ہیبت خان نیازی کی فوجیں پہنچ گئیں اور انہوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔اور طرفین کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔عین اس وقت جب بلوچ اپنی طاقت کے کم ہونے کے باوجود مردانہ وار لڑ رہے تھے فتح خان کمبوہ نے اپنے محسنوں کو جنہوں نے محض اس کی خاطر جنگ مول لی تھی۔دشمن سے تنہا نبرد آزما ہونے

کے لئے چھوڑ دیا اور اُس نے حضرت شیخ الاسلام فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ کے سجادہ نشین شیخ ابراہیم کے ذریعہ ہیبت خان سے صلح کی بات کی اور انجام کار اپنے کو شیخ کی وساطت سے ہیبت خان کے حوالہ کیا۔

بعد کے واقعات کا تذکرہ ''تاریخ افاغنہ'' کے مصنّف نعمت اللہ خان نے تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ محاصرہ کے دوران رات کے وقت بلوچستان کا امیر'' جس کا نام مندو خان بلوچ تھا، اپنے قلعہ کی حفاظت کے لئے انتہائی بامردی سے لڑتا رہا لیکن جب اُسے کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اُس نے وہی کیا جو غیّور اور جسور لوگ ایسے اوقات میں کر گزرتے ہیں یعنی بلوچوں نے بے عزّتی کے خوف سے خود اپنی عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا اور مندو خان مع اپنے تین سو رفیقوں کے قلعہ سے باہر آ گیا اور محاصرین پر شدّت سے ٹوٹ پڑا۔ اُس نے نہایت شجاعت سے جنگ کی اور بزورِ شمشیر اپنا راستہ بنا کر فرار ہو گیا۔ جب صبح ہو گئی تو افغانوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ معزّز خواتین تو اپنے غیّور وارثوں کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کر چکی تھیں لیکن بچے کھچے لوگوں کو ہیبت خان نے قید کر لیا۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ پاکپتن کا نہیں بلکہ فتح پور کے قریب ایک کچّا قلعہ تھا جس میں مندو خان مع اہل و عیال رہتا تھا اور فتح خان کمبوہ بھی اسی قلعہ میں پناہ گزین ہوا تھا۔ تاریخ شیر شاہی میں مذکور ہے کہ جب فتح خان، شیخ ابراہیم کی وساطت سے ہیبت خان کی خدمت میں پیش ہوا تو اُس نے شیخ ابراہیم کو کہا کہ میں شیر خان کا نوکر ہوں جو اس کا حکم ہو گا اسی پر عمل کروں گا۔ اور فتح خان کو قید کر لیا گیا۔

''تاریخ افاغنہ'' میں نعمت اللہ خان نیز لکھتے ہیں کہ میر مندو خان لڑتا بھڑتا بخشو لنگاہ کے پاس پہنچا۔ وہ کچھ دیر ستانا چاہتا تھا مگر بخشو نے دھوکہ دہی اور فریب سے

اُسے گرفتار کر کے ہیبت خان کے پاس بھجوا دیا۔ مزید لکھتے ہیں کہ چند یوم بعد ہیبت خان، فتح خان اور میر مندو خان کو گرفتار کرنے کے بعد ملتان آدھمکے۔ ہیبت خان نے شیر شاہ کو اپنی کامیابی پر فتح نامہ تحریر کیا تو وہ بڑا خوش ہوا اور اُس نے ہیبت خان کو مسند عالی کا منصب اور اعظم ہمایوں کا خطاب مرحمت کیا نیز حکم دیا کہ فتح خان کمبوہ، مندو خان اور بلوچ خان (چاکر خان رند کا لڑکا) کو قتل کر دو اور بخشو لنگاہ یا اُس کے بیٹے کو اپنی خدمت میں رکھو۔ ہیبت خان نے حکم ملتے ہی میرن خان بلوچ (بلوچ خان) کو شہید کر دیا اور فتح جنگ کو قائم مقام چھوڑ کر لاہور پہنچا اور وہاں اُس نے فتح خان کمبوہ اور مندو خان کو دارِ فانی سے عالم باقی کو رخصت کیا۔

یہ تھے میر مندو خان رند کے بارے میں تاریخی واقعات اور اُس کے مستند حوالے جنہیں آخوند محمد صدیق، ملک سعید دہوار، میر گل خان نصیر، آغا نصیر خان احمد زئی اور خان میر احمد یار خان بلوچ، قلات میں میروانیوں کے ہاتھوں مقتول بتا کر اُن کے قبر کی جھوٹی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے مؤرّخ جنہیں قومی مؤرّخ کا مقام دیا گیا ہے بغیر تحقیق و مطالعہ کے نہ صرف دوسروں کے مفروضوں کو سند کا درجہ دیتے ہیں بلکہ خود بھی مفروضوں سے کام لے کر تاریخ کو بے بنیاد کہانیاں بنا دیتے ہیں۔

سلسلہ کلام کو بڑھاتے ہوئے آخوند لکھتے ہیں کہ میر بجّار نے وڈھ میں بلوچوں (رندوں) کا قتل کیا اور وہاں پر مینگل کو بٹھایا اور وہیر کا علاقہ رئیسانیوں کو دیا۔ جبکہ رزمیہ داستان آخوند کی اِس بات کو بھی جھٹلاتی ہے اور کہتی ہے کہ میر بجّار نے جنگ کے اختتام پر ''وڈھ'' کی مقبوضات ملک دوستین نوشیروانی کو خدمات کے عوض دیئے جن کا بیٹا ملک دینار جدگالوں کے ہاتھوں دوران جنگ قتل ہو چکا تھا اور وہیر سے لے کر

درا کالہ اور لکّ باراں کے سرے تک کی مقبوضات کی نائبی تیمُر ولد یوسف ہو تک رخشانی کو دی گئی۔ جو میر بجّار کا اتحادی تھا۔ تیمُر اور ناچ کے قبیلہ تمبرانی کا جدّ امجد تھا۔ نظم نہ کسی سیاہی کی بات کرتی ہے اور نہ وہیر کا علاقہ رئیسانیوں کو دینے کا تذکرہ کرتی ہے۔ اور نہ اس میں جوئے دودران اور چھپر کی اراضیات کا ذکر ہے۔ میر گل خان نصیر نے بھی کتاب کا ترجمہ کرتے وقت صفحہ 28 کے حاشیہ میں لکھا:۔

''براہوجدگال جنگ'' کے عنوان سے جو مشہور بلوچی نظم موجود ہے اور جس میں جدگالوں کو شکست دینے کے بعد میر بجّار نے اپنے براہوئی قبائل میں جس طرح مفتوحہ علاقے کو تقسیم کیا اس میں وہیر کا علاقہ رئیسانیوں کو دینے کا ذکر نہیں ملتا۔''

ذکر ہوگا بھی کیسے کہ وڈھ کے مینگل اور رئیسانی قبیلے اِس جنگ میں شامل ہی نہیں تھے اسی لئے تو رزمیہ داستان میں کہیں بھی مذکورہ قبیلوں کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ البتہ داستان میں ذگر مینگلوں (دیکھیں اشاریہ نمبر 17) کا تذکرہ کیا گیا ہے جنہیں شاعر میروانیوں کا ہم نسل اور رشتہ دار کہتا ہے جو دوران جنگ دشت گوران سے نوشکی جا چکے تھے۔

آخوند اِسی تسلسل میں مزید لکھتے ہیں:۔

''میر بجّار نے قلات پر قبضہ کر لیا لیکن بعد میں اُس نے بادیہ نشینی اختیار کی۔ یہاں تک کہ بادیہ نشینی کی حالت میں ہی فوت ہوا۔ قلات بغیر حاکم کے رہ گیا۔'' (''تاریخ خوانین قلات'' ترجمہ گل خان نصیر ص 28)

مذکورہ رزمیہ داستان کے بجّار کے متعلق واقعات ہم بیان کر چکے ہیں کہ جنگ کے اختتام پر اُسے نئے اتحادیہ ''براہوئی'' کا چیف سردار مقرر کیا گیا۔ قلات تو

تقسیم کے مطابق میر بجّار براہو کے اتحادی ''میر احمد ایلتا زئی'' کو دیا گیا جو 1666ء میں بحیثیت خانِ بلوچ، گدّی پر بیٹھا۔ وہ بانی خوانین بلوچ میر کمبر رئیس کے سلسلے کا آٹھواں خان اور جدید اتحادیہ ''براہوئی'' کا پہلا خان ہوا۔ میر بجّار نہ کبھی قلات میں رہا تھا اور نہ قلات کے اقتدار پر اُس کا دعویٰ تھا اور نہ کبھی وہ قلات کا خان یا حاکم ہوا تھا۔ اُس کی موجودگی اور نگرانی میں میر احمد خانی کے منصب پر فائز ہوا۔ اور اپنے نام سے بننے والے نئے قبیلہ احمد زئی کا جدّ بنا۔ لہٰذا آخوند کا یہ کہنا کہ قلات بغیر حاکم کے رہ گیا، ایک مفروضہ ثابت ہوا ہے۔

میر گل خان نصیر نے اپنی کتاب ''بلوچستان، قدیم وجدید تاریخ کی روشنی میں'' کے صفحہ نمبر 148 پر لکھا ہے کہ میر بجّار لاولد مرا اور اُس کے بعد قوم کی سرداری میر کمبر کو ملی۔ جبکہ اپنی پہلی تصنیف ''تاریخ بلوچستان'' کے صفحہ نمبر ۱۳ پر لکھا ہے کہ میر بجّار کے بعد میروانی قبیلے کی سرداری میر ابراہیم میروانی کے حصّے میں آئی جو نغاڑ سوراب میں رہتے تھے۔ جبکہ آخوند محمد صدیق نے لکھا ہے کہ میر ابراہیم خان، کمبرانی اور احمد زئی کے جدّ امجد ہیں۔ تاریخی لحاظ سے مذکورہ دونوں بیانات غلط اور من گھڑت ہیں۔ پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ میر بجّار کے بعد میروانی سردار گھرانے میں ابراہیم خان کے نام سے کوئی سردار نہیں گزرا ہے۔ نہ کہ میروانی سردار گھرانے کے نسب نامے میں ایسا کوئی نام موجود ہے۔ اس کے برعکس قبیلہ کے براہو طائفہ میں بجّار زئی شاخ کی موجودگی میر بجّار کے لاولد ہونے کے موقف کی تردید کرتی ہے۔ اور سردار گھرانے کا شجرہ نسب ثابت کرتا ہے کہ میر بجّار لاولد نہیں تھا۔ میروانی روایتوں کے مطابق میر بجّار براہو کے بعد قبیلہ کی سرداری اُس کے بڑے بیٹے ''میر دوستین'' کے حصّے میں آئی۔ جس نے اپنا قبیلائی مرکز نغاڑ کی بجائے منگلی مشکئے کو بنایا۔ جسے وہ تاریخی مرکزی مقام سمجھتے تھے۔ روایتوں کے مطابق وہ ہر سال گرمیوں

میں تین سے چار مہینے نغاڑ میں گزارتے تھے۔ اور قبیلہ کے معاملات نمٹاتے تھے۔ میروانی سردار میر قادر بخش نے، جو میر بجّار براہو کے خاندان سے ہے، درج ذیل شجرہ نسب مرحمت کیا۔ جس میں میر بجّار براہو کا بیٹا سردار دوستین کا نام موجود ہے:۔

''سردار قادر بخش ولد سردار نصر اللہ خان ولد سردار موسیٰ خان ولد سردار ملک دینار ولد سردار عبدالکریم ولد سردار فیروز ولد سردار بھائیان ولد سردار میّا خان ولد سردار فقیر محمد ولد سردار دوستین خان ولد سردار مزار ولد سردار دوستین ولد سردار میر بجّار خان ولد سردار میر عمر براہو ولد سردار میرو براہو میروانی رئیس۔''

بجّارزئی میروانیوں کے شجرۂ نسب نے میر بجّار براہو کے لاولد ہو کر مرنے کی میر گل خان نصیر کی تحریر کو ایک من گھڑت موقف ثابت کر کے اسے بے وقعت قرار دیا ہے۔

جہاں تک آخوند کی دوسری بات کا تعلق ہے کہ میر ابرہیم خان، قبیلہ احمدزئی اور کمبرانی کے جدّ ہیں تاریخی طور پر غلط ہے کیوں کہ کمبرانی قبیلہ جو براہو جدگال جنگ کی پیداوار ہے، کا جدّ امجد کمبر کہدائی تھا جو قوم کا میروانی نہیں تھا۔ اور میر کیچی ایلتا زئی کا داماد تھا۔ سی طرح قبیلہ احمدزئی بھی اسی جنگ کی پیداوار ہے اور اِس کا جدّ میر احمد ایلتا زئی تھا جو خوانین قلات کے دوسرے دور کا پہلا خان بلوچ تھا۔ میر احمد ایلتا زئی، میر کمبر کہدائی کی کمان میں لڑا اسی نسبت سے احمدزئی بھی کمبرانی کہلاتا تھا۔

قلات اور بلوچستان کی تاریخ پر سب سے پہلا اور بڑا دروغ آخوند محمد صدیق کی تصنیف ''تاریخ الابرار'' ہے۔ جس میں تحریر تمام تر واقعات جن کا تعلق ماضی سے ہے من گھڑت اور مفروضے ہیں لیکن بعد کے مورّخین نے اِسی کتاب کے حوالے سے

اپنی تاریخیں لکھیں اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی کوشش میں حصّہ دار بنے جن میں میر گل خان نصیر، ملک محمد سعید دہوار، صالح محمد لہڑی، خان بلوچ میر احمد یار خان بلوچ اور آغا نصیر خان سرِ فہرست ہیں۔ آغا نصیر خان نے ''کردگال نامک'' کے نام سے جعلی کتاب مستونگی فارسی میں تحریر کر کے اُسے آخوند محمد صدیق کے ایک جدّ آخوند محمد صالح کی تصنیف بتا کر، آخوند محمد صدیق کی سنّت کو زندہ کر دیا۔ اس جعلسازی نے انہیں شہرت دینے کی بجائے بدنامی کا داغ دیا۔

مذکورہ بالا تاریخ نویسوں نے قلات کی تاریخ کے ضمن میں جن مفروضوں سے کام لیا ہے ان کے پیشِ نظر ان کی باقی تحریریں اور واقعات بھی ناقابل اعتبار اور من گھڑت ہیں۔ براہوجدگال جنگ کی رزمیہ داستان نے ان کے بیشتر موضوعات کو مفروضہ ثابت کر کے ان پر سیاہی پھیر دی ہے۔ جن میں قلات پر مغل حکمرانی، میروانی قبضہ اور حاکمیت، رند میروانی لڑائی،، برزکوہی، براہیمی، میرو، کمبر، میر عمر اور دیگر موضوعات شامل ہیں۔ لہذا ضروری قرار پاتا ہے کہ مذکورہ تاریخی نگارشات پر تاریخی حوالوں سے اور علمی طریقوں سے ناقدانہ نظر ڈالی جائے اور تمام مفروضوں، من گھڑت کہانیوں اور جعل سازیوں کو مسترد کر کے سچائیوں کا کھوج لگا کر حقیقی تاریخ کو منظر عام پر لایا جائے اور تاریخ کے طالب علم اور متلاشیوں کو مزید گمراہ ہونے سے بچایا جائے۔

39۔ رئیس قبیلہ:۔ متحدہ مکران کا یہ اکثریتی قبیلہ ایک قدیم مقتدر اور حکمران قبیلہ رہا ہے۔ جس کی بالادستی کے سینکڑوں آثار قدیم قلعوں کی صورت میں بحیرہ کیپیئن سے لے کر گوادر تک اور شمال کی سمت کابل، ہلمند اور چترال تک پھیلے ہوئے ہیں۔ قبیلہ کا تاریخی نام ''رئیس'' اس کے حاکم اور مقتدر ہونے کا ثبوت ہے۔ یہ بلوچستان کا واحد قبیلہ ہے جس نے سیستان، کرمان، مکران، قلات، سندھ، کشمیر و چترال تک حکمران شخصیتیں

مہیا کیں۔ کتاب ''سیستان'' کے انگریز مصنّف جی۔ پی۔ ٹیٹ، اس قبیلہ کو سیستان کے قدیم شاہوں کی مدد کرنے والا بااثر قبیلہ اور آدھے سیستان کا ''آقائے زمین'' قبیلہ لکھتا ہے:۔

''رئیس خاندان کے لوگ کسی وقت سیستان کے ڈیلٹا کے جنوب اور سرحد (کرمان کے مشرقی اضلاع) کے ملحقہ اضلاع میں چھائے ہوئے تھے۔۔۔'' روایات کے مطابق ''رئیس'' رُوشناس تھے یعنی شہنشاہ کے حضور شرف بازیابی رکھتے تھے۔ اور انہیں مقامی خود اختیاری کی مراعات حاصل تھیں۔ جس کی وجہ سے وہ کیانیوں یا سیستان کے دیگر حکمرانوں کے تابع نہ تھے، یہ مراعات انہیں بہت عرصہ پہلے دی گئی تھیں۔ اور کچھ پتہ نہیں کس بادشاہ نے یہ عطا کیں یا وہ شاہی خانوادہ کا عہد تھا لیکن یہ انہیں دشمنوں کے خلاف شاہ کو مئوثر امداد دینے کے بدلے دی گئی تھیں۔ یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ رئیس اس قدیم قبیلہ کے باقیات ہیں جس نے کوروش کی مدد کی تھی لیکن اس قریباً معدوم قبیلہ کا جغرافیائی محل وقوع اس کو عطا کردہ مراعات کی داستانیں اسی روایت سے مربوط معلوم ہوتی ہیں جو یرگتوئی یعنی محسنین کے متعلق مشہور تھیں۔''

مزید لکھتے ہیں کہ:۔

''رئیس کسی وقت بمپور کے شمال میں سرحد کے جنوب مشرقی اضلاع کی نامی گرامی اور بااثر نسل تھی۔ غز قبائل کا کچھ حصہ ان

کے ساتھ آباد ہو گیا اور رشتوں ناطوں کی بدولت غزرئیس کہلائے لگا۔سیستان کے رئیس ان سب کے سردار تھے۔''''جب سیستان میں امن وامان مفقود ہو گیا تو کچھ رئیس افراد کابل ہجرت کر گئے جہاں ان کے اخلاف موجود ہیں۔ پرانے وقتوں میں کہا جاتا تھا کہ سیستان کے شمال میں کیانی اور جنوب میں رئیس'' آقائے زمین'' تھے اور تمام دیگر قبائل اور ان کی ملکیت انہی دو خاندانوں کے ماتحت تھی۔''

صدیوں سے یہ قبیلہ مملکت مکران میں مقتدر قبیلہ کی حیثیت سے سب سے بڑا قبیلہ شمار کیا جاتا رہا ہے۔جس سے دیگر سینکڑوں ذیلی پھاڑے اور گوت وجود میں آئے اور ملک میں جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہیں۔قدیم ایّام سے اس قبیلہ کے تین اہم تاریخی مراکز بیرجند (ایران)، کیچ اور پنجگور رہے ہیں جہاں پر یہ قبیلہ مسلسل حکمران اور بالادست رہا ہے۔قلات مرکزیت والے خوانین بلوچ بھی پنجگوری رئیسوں کا سلسلہ ہے۔

بلوچستان ڈسٹرکٹ گزیٹئر جلد ہفتم سال طبع 1907ء کے صفحہ نمبر 98 پر کہا گیا ہے کہ یہ قبیلہ ملک میں سب سے بڑا قبیلہ شمار کیا جاتا ہے اور صفحہ نمبر 95 پر تحریر ہے کہ وہ سرزمین مکران کے قدیم ترین باشندے ہیں اور اس قوم کے افراد وطائفے تمام اندرون ملک اور ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں۔مکران گزیٹئر اس قبیلہ کے بارے میں لکھتا ہے :

''رئیس ملک میں سب سے بڑا قبیلہ سمجھا جاتا ہے۔یہ سارے کیچ اور پنجگور میں پھیلا ہوا ہے۔ پیشکان کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ ایرانی مکران کے باہو، اور دشتیاری تک یہ قبیلہ رہائش پذیر

ہے۔ وہ علاقے کے دیگر بلوچوں میں سب سے زیادہ اہم اور معزز ہیں اور اپنے کو سماجی لحاظ سے برتر سمجھتے ہیں۔ وہ لس بیلہ کے جاموٹوں سے قربت رکھتے ہیں اور انہیں اپنا سمجھتے ہیں۔ یہ علاقے میں کب آباد ہوئے اس کا انہیں علم نہیں۔ دوسرے گروہ انہیں ''بیج دار'' کا بھی نام دیتے ہیں جس کے معنی ''بنیادی'' کے ہیں جو علاقے میں ان کی قدیم آبادکاری کو ظاہر کرتا ہے۔ تربت اور گرد ونواح میں رئیسوں کی بڑی جائدادیں ہیں اور آبسر اور کلاتک کے درمیان وادی کیچ کی تقریباً آدھی اراضیات ان کی ہیں۔ ماضی میں ان سے مالیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ رئیس، امن پسند ہیں اور مکران کے دیگر تمام قبائل سے زیادہ مہذّب ہیں۔''

مکران اور سیستان میں اس قبیلہ نے شاہی درباروں میں اہم ترین کردار ادا کیا ہے لیکن بہت کم واقعات تحریری تاریخ میں جگہ پا سکے ہیں۔ تاریخ بیہقی اور تاریخ سیستان میں چند ایک واقعات کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان میں ایک واقعہ جو محمود غزنوی کے دور کا ہے، بیان کیا جاتا ہے۔ 1020ء سے 1022ء کے درمیان جب مکران پر معدان کی حکومت تھی اور وہ فوت ہوئے تو اس کے بیٹے عیسیٰ اور ابوالعسکر کے درمیان وراثت پر جھگڑا ہوا۔ رئیس جو کہ جنگجو تھے، عیسیٰ کے ساتھ تھے۔ جب کہ زراعت سے وابستہ معتبرین ابوالعسکر کے حامی تھے۔

رئیس جنگجوؤں کی مخالفت کے سبب ابو العسکر ملک سے فرار ہو گیا اور سیستان چلا گیا۔ جسے پھر سومنات کی مہم سے واپسی پر محمود غزنوی نے غزنی بلا لیا اور اسے دربار میں جگہ دی۔ محمود غزنوی کے اس اقدام پر عیسیٰ بہت سیخ پا ہوا اور اس نے قاضی

مکران کی سرکردگی میں رئیس قبیلہ کے علماء اور فضلا اور زرعی عمائدین پر مشتمل ایک وفد اس کے دربار میں روانہ کیا۔ وفد کو ایک خط دے کر بھیجا گیا جس میں عیسیٰ کے جائز وارث ہونے اور ابوالعسکر کے جھوٹا اور دغاباز ہونے کا تفصیلی تذکرہ تھا۔ رئیسوں کے علماء، فضلا کو بڑی عزت دی گئی اور عیسیٰ کی مکران میں ولایت کی منظوری دی گئی۔

سندھ کے معروف بلوچ محقّق میر رحیم داد مولائی شیدائی، اپنی تصنیف ''تاریخ قلات (جغرافیہ)'' حصّہ اوّل میں رئیس قبیلہ کے بارے میں لکھتے ہیں :

''قبیلہ رئیس، کیچ، پنجگور، باہو ایرانی مکران میں آباد ہے۔ اس قبیلہ کی رشتہ داریاں کلمتی، کہدائی، ہوت بلوچوں سے ہیں۔ تواریخ کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قبیلہ کی بستیاں عراق تک پھیلی ہوئی تھیں عباسی خلفا امین اور ماموں کے زمانے میں یہ قبیلہ بہت طاقتور تھا۔ اکثر قافلوں کو لوٹتا رہتا تھا۔''

اس بہادر اور طاقتور قبیلے کی چار اہم ترین خاندانوں نے مختلف ادوار میں نامی گرامی ہیروؤں کی سرکردگی میں مختلف خطوں پر اپنا اقتدار قائم کیا ہے اور اپنی مقبوضات کو وسعت دی ہے۔ یہ چار تاریخی خاندان اس طرح ہیں:۔

1۔ **ہوت خاندان:**۔ اس خاندان نے مغربی مکران کے کئی علاقوں کے علاوہ مشرقی مکران کے کیچ، ساحلی علاقے، لسبیلہ، سندھ اور ڈیرہ جات کے خطوں پر اپنا اقتدار قائم کیا ہے۔ یہ خاندان، رئیس قوم کا سردار گھرانہ بھی رہا ہے۔

2۔ **بورسوار خاندان:**۔ بورسوار کے معنی گھڑسوار۔ یہ خاندان سے زیادہ ایک جنگجو گروہ ہوتا تھا جو گھڑسوار دستوں کی شکل میں رئیس یعنی حکمرانوں اور ان کے قلعوں کی حفاظت پر معمور ہوتا تھا۔ انہیں سب سے زیادہ مہذّب اور معزّز سمجھا جاتا رہا ہے۔ یہ فوجی گروہ

گھوڑوں پر سوار دستوں کی صورت میں گشت کرتا رہتا تھا۔ اور دشمنوں کی خبر گیری بھی کرتا تھا۔ موقع محل دیکھ کر کاروانوں کو بھی لوٹتا تھا۔ یہ بڑے ماہر جنگجو ہوتے تھے۔ بورسوار رئیسوں نے شمالی بلوچستان کے علاقہ سرحد (کرمان کے مشرقی اضلاع)، ایرانی مکران کا بڑا حصّہ، پنجگور، زہری اور قلات کے خطّوں پر اپنا اقتدار قائم کیا ہے۔

3۔ **غُز خاندان:۔** اِس خاندان کا نام ''اوغز نی نی ہے جو بنیادی طور پر ایک بڑا قبیلہ ہے جس کا وطن بحیرہ کیسپئن ہے۔ درحقیقت بحیرہ کیسپئن کا اصل اور بنیادی نام یہی ''اوغز'' ہے۔ ترکمن قبائل اسی نسل سے ہیں۔ تُرکمن زبان میں اسے ''اوغوز'' لکھا جاتا ہے۔ رئیس قوم میں اگرچہ روایتاً اِس طائفے کو کیسپئن سے آنے والا بتایا جاتا ہے اور ''سیستان'' کے مؤلّف جی۔ پی۔ ٹیٹ نے بھی یہی لکھا ہے کہ اوغوزون کا ایک گروہ رئیسوں میں شامل ہو کر غُز رئیس کہلانے لگا لیکن درحقیقت ''اوغز'' ہی رئیس اور ترکمن کا مادر قبیلہ ہے رئیس صدیوں مکران میں پھل پھول کر ایک اکثریتی طاقت بن چکا اور رئیس ہی اُس کی شناخت بن گئی تھی اِس لئے اوغوز اُس کی شناخت رہ نہ گئی اور یہ نام پس منظر میں چلا گیا۔ حالانکہ اس قبیلہ نے کرمان، جیرفت اور آس پاس کے خطوں میں کئی زمانوں تک اپنی بالادستی قائم کر رکھی تھی، کرمان کا تاریخی نامور حکمران ملک دینار رئیس اِسی اوغز قبیلہ سے تھا۔ جب رند قبائل اور اِس کے بیشمار رئیس اتحادی مکران سے بہ طرف قلات ہجرت کر گئے تھے۔ تو اِن کے ساتھ غُز طائفے بھی شامل تھے جنہیں جمع کی صورت میں غزگ کہتے تھے۔ حرف ''گ'' واحد کی جمع بناتے وقت استعمال ہوتا ہے۔ انہی غزگ رئیسوں نے رند قبائل کے ایک طائفے کی حیثیت سے قلات میں الگ موضع بنایا جو آج بھی اسی نام سے موجود ہے۔

4۔ **حمزئی خاندان:۔** یہ خاندان جو کسی حمزہ رئیس کے نام سے تشکیل پا گیا ہے زیادہ تر

سیستان، ہلمند، بادغیس اور چترال کے علاقوں سے متعلق ہوتا تھا۔ جہاں اس خاندان کے کئی تاریخی قلعے موجود تھے۔ ان خطّوں میں اس خاندان کی نسلیں آج بھی موجود ہیں۔

چترال پر اس رئیس خاندان نے اپنے ایک حمزہ رئیس کی سرکردگی میں حکومت قائم کی۔ جو امیر تیمور کے ہاتھوں تباہ ہوگئی۔ اور کئی رئیس خانوادے چترال سے ہجرت کر کے بدخشان کی طرف چلے گئے۔ سولہویں صدی عیسوی کے وسط میں رئیسوں نے دوبارہ چترال کی حکومت پر قبضہ کرلیا۔ جسے 87-1585ء کے درمیان کٹوریہ خاندان نے ختم کیا اور رئیسوں کا قتل عام کیا۔ جس سے رئیس گھرانے دوسری مرتبہ بدخشان کی طرف ہجرت کر گئے اور وہاں انتقام لینے کی تیاریاں کرنے لگے۔ رئیسوں کے قتل عام نے کٹوریہ خاندان پر عوام کے اعتماد کو ٹھیس پہنچایا اور جلد ہی کٹوریہ خاندان کا بادشاہ محترم شاہ کمزور پڑ گیا۔ جس کی امداد کے لئے بدخشان سے اِس کو اس کے خاندان کی مدد ملی اور اسکی حکومت قدرے مستحکم ہوئی۔ لیکن 16-1615ء میں رئیسوں کے سربراہ محمود رئیس بدخشان کے ایک لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوا اور محترم شاہ گرفتار کرلیا گیا۔ پھر اس کی جان بخشی کر کے اسے مع اہل وعیال کیس میں بھیج دیا گیا۔ چند سال کے بعد کٹوریہ خاندان نے پھر رئیس قبیلہ سے بادشاہت چھین لی اور محمود رئیس کو قتل کر دیا گیا۔ اور یہ خاندان جو پھر چترال آ کر بس گیا تھا تیسری بار بدخشان کی طرف دھکیل دیا گیا۔ لیکن یہ انتقام گیری ختم نہ ہوئی اور رئیسوں نے محمود شاہ والی بدخشان کی مدد سے چترال پر حملہ کر کے حکومت پر قبضہ کرلیا۔ یہ واقعہ 5-1634ء میں وقوع پذیر ہوا۔ اس کے بعد چترال، بدخشان اور مستوج پر وقفے وقفے سے رئیسوں کی حکومت بنتی اور مٹتی رہی۔ اور آخر کار 1774ء کو رئیسوں کا آخری ہیرو شاہ عبدالقادر محمود رئیس خاندانِ خوش وقتیہ کے فرامُرز شاہ کے ہاتھوں قتل ہوا اور رئیسوں کے اقتدار اعلیٰ کا سورج پھر طلوع نہ ہوسکا۔

سینکڑوں سالوں پر محیط اس شاہی قبیلہ نے اپنے وجود کے دوران سینکڑوں طائفوں کی تشکیل کی ہے جو عراق سے کشمیر تک پھیلے ہوئے ہیں لیکن اپنے تاریخی مرکز سے کٹ کر دیگر اکثریتی اور بالادست قبیلوں میں مدغم ہوئے ہیں۔ موجودہ سیستان اور بلوچستان میں آباد اس قبیلہ کے سینکڑوں طائفے اب بڑے قبیلوں کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔

براہوا تحادیہ کے ارکان:

براہو جدگال جنگ کی رزمیہ داستان ہمیں جدگال کے خلاف لڑنے والے براہو میروانی طائفے کے جنگی اتحادی لشکروں کے کمانداروں یا سرکردہ اشخاص کی پوری فہرست مہیا کرتی ہے جو درج ذیل تھے:۔

1۔قلندر..... قبیلہ کے براہو میروانی تھے۔

2۔گُرگین..... قبیلہ کے براہو میروانی تھے۔

3۔سُماعیل..... قبیلہ کے ذَگر تھے۔ ابتدائے جنگ میں اتحادی تھے۔

4۔ہالہ..... قلندر براہو کے بیٹے تھے۔

5۔ٹوہو..... قلندر براہو کے بیٹے تھے۔

6۔گوشو..... نغاڑی نقیب تھے۔ میروانی غلاموں سے تھے۔

7۔گزّین..... نغاڑی نقیب تھے، گوشو کے بھائی تھے۔

8۔میر احمد..... قبیلہ کے ایلتا زئی رئیس تھے۔ سابق خوانین بلوچ کے شاہزادوں سے تھے۔

9۔میر مہراب..... میر احمد ایلتا زئی کے بیٹے تھے۔

10۔دُرُک..... قبیلہ رئیس توک سے روایت کیا جاتا ہے۔

11۔حاجی سو پک..... قبیلہ کا ساسولی تھا اور رخشان کا باشندہ تھا۔

12۔گواراں..... قبیلہ ساسولی بُلفت سے تھا۔بلفت جدگالوں سے کٹ چکا تھا۔

13۔صلاحی..... سرمستانی قبیلہ سے تھا۔میروانی اسے میروانی قبول کر چکے تھے۔

14۔میران..... جلمب زئی قبیلہ سے تھا، ساجدیوں کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ گورگین کی کمان میں اپنے اتحادیوں کے ساتھ لڑا۔

15۔حالِد ..... قبیلہ جلمب زئی سے تھا۔دوران جنگ اس کا لشکر ''حالدانی'' کہلایا۔

16 ۔ملک دوستین..... خاران کا نوشیروانی سردار تھا اپنے بیٹے ملک دینار کے ساتھ میروانیوں کا ساتھ دیا۔ملک دینار اس لڑائی میں مقتول ہوا۔

17۔زنگی..... قبیلہ کا سیاہ پاد تھا۔

18۔سُہراب..... زنگی کا بھائی تھا۔

19۔حمّل..... بیزنجو بلفت تھا۔بلفت جدگالوں سے کٹ چکا تھا۔

20۔عمر بُزدار..... قبیلہ عمرانی سے تھا اپنے لوگوں کے ہمراہ بیزنجو لشکر میں شامل تھا۔

21۔ئندہ..... میر حمّل بیزنجو کا بھائی روایت کیا جاتا ہے۔

22۔تیمُر ..... رخشان کے ہوتک قبیلہ سے تھا۔نوشیروانی سردار کی طرف سے میروانی کا اتحادی بنا تھا۔

23۔کمبر..... کُہدائی قبیلہ سے تھا۔نامی گرامی جنگجو تھا۔خوانین گھرانے کا داماد تھا۔

24۔شاہ بیک..... ایلتا زئی رئیس قبیلہ کا فرد تھا۔

25۔زرّک..... رئیس توک قبیلہ سے تھا۔

26۔آدم..... قبیلہ موسیانی رندوں سے تھا۔

27۔زیرک..... قبیلہ محمد حسنی سے تھا۔

درج بالا جنگجو شخصیتیں براہو میر وانیوں کی فولادی قوتیں تھیں جن کی شمشیر زنی نے بیلہ کی کشاری تک کے علاقہ جات جدگال قبائل سے فتح کر لئے۔ ان میں سے اکثر شخصیتوں کے زیر کمان مسلّح لشکر تھے۔ بلوچی قبائلی نظام کے اصولوں کے مطابق ان لشکروں نے نئے قبیلوں کی شکل اختیار کی۔ نئے قبیلے اپنے سرکردہ شخص کے ناموں سے منسوب ہوئے۔ بلوچی قبائلی نظام کے اصولوں کے مطابق قبیلے درج ذیل طریقہ سے تشکیل پاتے ہیں:۔

☆ ہر شخص کے نام سے کوئی قبیلہ بغیر کسی اہم پس منظر یا شہرت کے تشکیل نہیں پاتا بلکہ کوئی غیر معمولی کارنامہ سرانجام دینے کی صورت میں کوئی شخص اہمیت حاصل کرتا ہے اور شہرت پاتا ہے۔ اس صورت میں اس مشہور شخص کے نام پر تفاخر کے طور پر قبیلہ تشکیل پاتا ہے جو اُس شخص کے نام کو زندہ رکھنے کی ایک صورت ہے۔ دوسری طرف اگر اس شخص کے بیٹے وغیرہ اس کے نام کو بطور وراثت اپنائیں تو ان کے ناموں کے ساتھ اس شخص کا نام بطور والد کے آئے گا جس کی صورت محدود ہوگی۔ مثلاً اگر والد کا نام ہوت تھا اور بیٹوں نے اسے اپنی خاندانی شناخت بنا دیا تو ہر بیٹے کے نام کے ساتھ ہوت آئے گا۔ اسی طرح پوتوں اور نواسوں کے ناموں کے ساتھ بھی ہوت چلے گا جو اس مشہور شخصیت یعنی ہوت سے ان کے قربت کو ظاہر کرے گا اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ جب تک اس سلسلے کو کوئی دوسرا نامور شخص منقطع نہیں کرے گا۔ اور اس نام سے دوسرا طائفہ یا قبیلہ تشکیل نہ پائے گا۔

اگر اس شخص کی اولاد اور خاندان کے ساتھ ساتھ اس کے دیگر نزدیکی عزیز و اقارب بھی اس شخص سے نزدیکی تعلق کی بنا پر اسے اپنی شناخت بناتے ہیں اور ایک محدود اتحادیہ تشکیل دیتے ہیں تو اس صورت میں اس شخصیت کے نام کے ساتھ اس کے ''زئی'' (لوگ) منسلک ہوجاتے ہیں۔ اور وہ تمام اس کے ''زئی'' بن جاتے ہیں۔

بعض اوقات ہنگامی صورت حال درپیش ہو جاتی ہے اور بھرپور جنگ کی تیاری کے لئے دشمن کے خلاف ایک وسیع تر اتحاد بنانے کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ فیصلہ کن جنگ کی جا سکے۔ اس صورت میں کوئی سرکردہ شخص قبائلی سان کرتا ہے یا کوئی طائفہ یا قبیلہ سان کے لئے اپیل کرتا ہے تو اس صورت میں عام و خاص لوگوں، طائفوں اور قبائل کا اتحادیہ بنایا جاتا ہے۔ اس صورت میں مرکزی شخصیت یا مرکزی طائفے یا قبیلے کے نام کے ساتھ ''آنی'' کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ جو ایک وسیع ترین کنفیڈریشن کی صورت ہوجاتی ہے۔

براہوجدگال جنگ میں شامل، براہو طائفے کے اتحادیوں نے اسی قبائلی نظام کے اصولوں کے مطابق نئے قبیلے جنم دیئے جو اتحادیہ کی شخصیتوں کے ناموں پر تشکیل پا گئے۔ ان کی تفصیل یوں ہے:۔

1۔ قلندر براہو کے ''نام سے'' ''قلندرانی'' قبیلہ۔ جدگالی کے زیر اثر ''قلندراڑی'' بھی کہلاتا ہے۔

2۔ گُرگین براہو کے نام سے ''گرگینانی'' قبیلہ۔ جدگالی کے زیر اثر گُرگناڑی کہلاتا ہے۔

3۔ سُماعیل ذگر کے نام سے ''سماعیلانی'' قبیلہ۔ جدگالی کے زیر اثر ''سُمالاڑی'' کہلاتا ہے۔ جہاں جدگالی کا اثر نہیں تھا وہاں ''سُمالانی'' کہلایا۔

4۔ ہالّہ، قلندر براہو کی نسبت سے ''قلندرانی'' کہلایا۔ اُس کے نام سے خاندانی طائفہ

''ہالہ زئی'' وجود میں آیا۔

5۔ٹوہو، قلندر براہو کی نسبت سے ''قلندرانی'' کہلایا۔اپنے بھائی ''ہالہ'' کے ساتھ تھا۔ ان کے نام سے طائفہ نہیں بنا۔

6۔گوشو، نغاڑی قبیلہ سے تھے۔اُس کے نام سے نیا قبیلہ نہیں بنا۔روایت ہے کہ جنگ کے بعد اس کے گھرانے کے لوگ، اُس کے اصل نام ''جامک'' کی کی نسبت سے ''جامک زئی'' کہلائے۔اب نغاڑیوں میں ''جامک زئی'' طائفہ موجود ہے۔

7۔گزّین، گوشو کا بھائی تھا۔ان کے نام سے بھی کوئی طائفہ نہیں بنا۔

8۔میر احمد ایلتا زئی رئیس کے نام کی نسبت سے نیا قبیلہ ''احمد زئی رئیس'' تشکیل پا گیا۔جو 1666ء سے خوانین قلات کا نیا قبیلہ بنا اور ایلتا زئی کا نام پسماندگان کے لئے بچ گیا۔

9۔مہراب ایلتا زئی رئیس کے نام سے کوئی قبیلہ نہیں بنا۔

10۔سُہراب جتّ کے نام سے دوران جنگ اور آخر جنگ کوئی قبیلہ یا طائفہ نہیں بنا۔ تاہم سیاہ پادوں میں کچھ عرصے تک ''سہراب زئی'' کا نام سنا گیا ہے۔

11۔زنگی سیاہ پاد کے نام سے ''زنگیانی'' قبیلہ بنا۔یہ قبائلی کنفیڈریشن آخر جنگ ٹوٹ گیا۔ اور زنگی کا خاندان جدگالی زبان کی بندش میں ''زنگیجو'' کہلایا۔

12۔حاجی سو پک کے ساتھ چند لوگ اُس کے گھر ہی کے تھے۔اس لئے وہ حاجی کے نام کی نسبت سے ''سو پک'' ہی کہلائے اور سو پک ہی ان کا طائفہ بنا۔یہ روایت بھی ہے کہ اس کا نام حاجی خان تھا اور یہ ایک قدیم ہندی قبیلہ ''سو پاک'' کے پسماندگان سے تھے۔

13۔گواراں ساسولی (بُلفت جدگال) کے نام سے جدگالی بندش میں قبیلہ ''گوارانجو'' تشکیل پا گیا۔

14۔صلاحی سرمستانی کے نام سے محدود طائفہ ''صلاحی'' بنا۔

15۔میران جلمب زئی ساجدی کے نام سے ''میران زئی'' قبیلہ بنا۔

16۔حالد جلمب زئی کے اتحادی چند گھر کے افراد اور ایک لشکر نغاڑیوں کا تھا۔لیکن اُس نے مخلوط قبیلہ پسند نہ کرنے کی بنا پر کنفیڈریشن تشکیل نہیں کی اور محدود طائفہ اُس کے نام سے ''حالد'' بنا۔

17۔ملک دوستین نوشیروانی کے نام سے کوئی قبیلہ نہیں بنا۔

18۔حمّل بیزنجو جونوحانی کنفیڈریشن کی نسبت سے نوحانی بھی کہلاتا تھا، کے نام سے ''حمّلانی'' قبیلہ تشکیل پا گیا۔جو حمّلانی بیزنجو کہلایا۔

19۔عمر بُزدار کے نام سے عمرانی قبیلہ تشکیل پایا۔چونکہ بیزنجہ لشکر کی سرکردگی میں جنگ میں حصّہ لیا اس لئے ''عمرانی بیزنجہ'' کہلایا۔

20۔نَندہ بیزنجو کے نام سے قبیلہ ''نندوانی'' تشکیل پا گیا۔(''نَندو'' نَندہ کی جدگالی ادائیگی ہے۔جدگالی اور سندھی میں جمع یا اجتماعی نام کے ساتھ ''ہ'' لگتا ہے لیکن اگر یہ نام واحد شخص کے لئے بولا جائے تو پھر ''ہ'' کی جگہ ''و'' استعمال کیا جاتا ہے جو ایک شخص کو ظاہر کرتا ہے۔مثلاً قوم کے نام کے لئے، سمّہ، سومرہ، انگاریا، بُرّہ، سہتہ، رونجھہ، بیزنجہ، صابرہ، موندرہ وغیرہا بولا جاتا ہے۔لیکن اگر یہ نام ایک شخص کے نام کے ساتھ لگایا جائے تو پھر یہ نام سمّو، سومرو، انگاریو، بُرّو، سہتو، رونجھو، بیزنجو، صابرو، اور موندرو بولا جائیگا)۔

21۔ تیمُر ہوتک رخشانی کے نام سے قبیلہ ''تیمُرانی'' تشکیل پا گیا۔جو ''جدگالی'' لہجہ کے زیر اثر ''تمبر اڑی'' کہلایا۔بلوچی کے زیر اثر یہ نام ''تمبرانی'' کہلاتا ہے۔

22۔کمبر کُہدائی کے نام سے قبیلہ ''کمبرانی'' تشکیل پا گیا۔یہ نام بلوچی اور جدگالی کے زیر

اثر بالترتیب ''کمبرانی'' اور ''کمبراڑی'' کہلاتا ہے۔

23۔شاہ بیگ ایلتا زئی کے ساتھ اُس کے گھرانے کے اتحادی تھے اس لئے اُس کے نام سے صرف ''شاہ بیگ زئی'' طائفہ بنا۔ چونکہ شاہ بیگ زئی کمبر کُہدائی کے زیر کمان لڑے تھے اس لئے یہ طائفہ ''کمبرانی'' بھی کہلایا۔ اسی نسبت سے احمد زئی ایلتا زئی بھی ''کمبرانی'' کہلاتے ہیں۔

24۔زرّک رئیس توک کے نام سے اُس کے لوگ ''زرّک زئی'' طائفہ بنے۔

25۔دُرُک رئیس توک کے نام سے آخر جنگ تک کوئی قبیلہ نہیں بنا۔لیکن کچھ عرصہ بعد ''دُرُک زئی'' طائفہ کا نام سنا گیا۔ جو اپنے پدری قبیلہ ''رئیس'' سے ناراض اور بچھڑ گیا تھا۔

26۔آدم مُوسیانی زہری کے نام سے قبیلہ ''آدمانی'' بنا۔

27۔زیرک محمد حسنی کے نام قبیلہ ''زیرکانی'' تشکیل پا گیا۔

براہوئی تشکیل:۔

مذکورہ رزمیہ داستان بتاتی ہے کہ براہو جدگال جنگ کے دوران اور اس کے اختتام تک براہو میروانی طائفہ کے اٹھائیس سرکردہ جنگجُو اتحادیوں میں سے پچیس جنگجُوؤں کے ناموں سے پچیّس قبیلے وجود میں آئے۔ جو ''براہو'' کے اتحادی ہونے کی نسبت سے نئے قبائلی نام ''براہوئی'' سے شہرت پا گئے۔ یہی بنیادی قبیلے جو صرف براہو جدگال جنگ کی پیداوار تھے اور اُن کے جدّامجدوں کا تعلق مختلف الاصل قبیلوں سے تھا، اصلی براہوئی ہیں جن میں مفتوحہ علاقوں کی تقسیم کی گئی اور وہ آج تک اُسی تقسیم کے مطابق اپنے زیر تصرّف املاک کے مالک ہیں۔ مذکورہ پچیّس قبیلے یہ ہیں:۔

1۔میروانی (بنیادی اور چیف قبیلہ)

2۔قلندرانی	3۔گُرگیناڑی
4۔سُمالانی	5۔ہالہ زئی
6۔نغاڑی	7۔احمدزئی
8۔زنگیانی	9۔سوپک
10۔گوارانجو	11۔صلاحی
12۔میران زئی	13۔حالد
14۔حمّلانی	15۔عمرانی
16۔نندوانی	17۔تمبراڑی
18۔کمبرانی	19۔شاہ بیگ زئی
20۔زرّک زئی	21۔دُرّک زئی
22۔سہراب زئی	23۔دوستین زئی
24۔آدمانی	25۔زیرکانی

مذکورہ فہرست ہی تاریخی اور حقیقی براہوئی قبیلائی فہرست ہے۔موجودہ وقت میں جتنے دوسرے قبیلے براہوئی کہلاتے ہیں وہ محض لسانی حوالے سے براہوئی کہے جاتے ہیں جو درحقیقت گھرانے ہیں جنہوں نے براہوئی زبان اپنالی ہے۔واضح ہو کہ حقیقی براہوئی قبیلائی تشکیل کے ایام میں براہوئی زبان کا نام کُردی اور کردگالی ہوتا تھا۔جب یہ کُردی حقیقی براہوئی قبائل کے گھروں میں داخل ہوئی تب اِس کا نام آہستہ آہستہ ''براہوئی'' بدلتا گیا اور آخرکار براہوئی بولنے والے زبان کی وجہ سے براہوئی مشہور ہوئے۔جو ''براہو اتحادیہ'' کی پیداوار نہیں ہیں، اور تاریخی لحاظ سے ان کا شمار براہوئی میں نہیں ہوتا۔

براہوجدگال جنگ ءِ شئیر

جی ہما دوٗر ءُ جی ہما باری
جی ہما سئیل ءُ گردش ءُ سواری

جی ہما روچانی خیال داری
بَردل ءَ کار چے لگیت کاری

جی ہما روچ آنی کسّہ انت دراجیں
عومرٓ میرٓو ءِ نغاڑٓ اَت ساڑتیں
عومرٓ ءُ مہنآز مس گوات گِر ءَ سازین
رُست ملک بجار خان ہزار نازیں

دائ آں چنڈینتہ دِلی بندوک
مادر ءَ نازینتہ ہما چمروک

نوکراں دست بہ دست بگردینتہ
در اوّل قُرآن اش بہ فہمینتہ
لبز ءَ پہ لبزآن اِش سمجینتہ

عالم آں ہر روچ سَبق آرا داتہ
دم پہ دم زرشان کرتگ ات مات ءَ
عومر ہما روچاں پَر مَراگاہ اَت
دادن ءُ بخشاد سُہب ءُ بیگاہ اَت
اچ عومر میرو ءَ جہاں ڈاہ اَت

یک گوْرا بور ءِ تاچگ ءُ مئیل اَت
یک گوْرا مئیل ءُ گردش ءُ سئیل اَت

راج ءِ سردار ءُ اُلکہ ءِ مَلّ اَت
اچ عومر میرو ءَ جہاں جلّ ات

شاہ قُریش آنی عادلیں وَلّ ات
کل براہو ءِ آسنیں پَلّ اَت

میر حسنؔ خان ءِ بیخ ءُ بُنیاد اَت
کمبر زئیؔ آنی خیش ءُ ہم سیاد اَت
گُہرام ءُ براہیمیؔ گہیں داد اَت

حمزہؔ ءُ عباسؔءِ جہاں بخش اَت
ذات براہو مس دفتراں نقش اَت

لشکر ءُ فوج ءُ گنج ءُ اقبال اَت
تاراجیں مُلک آں سئیل ءُ گلسال اَت

دل جم ءَ نشت ات دَبرہیں کوٹ ءَ
چانگر ءَ فوج یے زُرتہ جاموٹؔ ءَ

اِچ حبّ ءُ سارونؔ آحتہ میر چھوٹا
لشکر ءُ فوج تاں بیلویؔ کوٹ ءَ
باز ات انت جدگالؔ پر کرار موٹ ءَ

کچھوّی جدگالؔ آں تن آ پاچؔ ءَ
کرخؔ، چکو، تاں مُولا بالاچہ

آ شکر جاآم زئ آحتہ ہتّاچ ءَ
بیلّوءِ لَس تاں وَڈّھ، اورناچ ءَ
جاہ پہ جاہ کپتہ براہو مس آچ ءَ
ناگہان دات اِش عومرٓ ءَ حال یے
از لَس و کچھی، آحتہ جدگال یے
پرتو ءُ سوراب باز جت انت پال یے

تو راج ءِ سردار ءُ اُلکھی میرئے
کُلیں براہو ءِ زیارت ءُ پیرئے

میروآنی آنی خسرو کبیرئے
بَشّی جُڑآنی آسنیں بیرئے
جَہہ بہ جَہہ ملک آنی عوض گیرئے

آحتہ جدگال گوں فوج ءُ بنگاہ ءَ
جنگ کُتہ براہوگوں اول ڈاہ ءَ

جہہ جَتہ عومر اچ وتی جاہ ءَ
میان یے بستہ پَر جنگ ءُ داواہ ءَ

عومرؔ گوں جدگال آں جتہ تاڑی
چانگر ءَ جٹ ءُ چینگر میر واڑیؔ

عومرؔ گوں براث آں بوتگ ات گاڑھی
گپتہ جدگال آں عومریؔ ماڑی
بوتگ انت کوش ءُ درشُت انت نیاڑی

گرگیں برا روچ ءَ نہ ات ساڑی
نے سُمال کوہی بوتگ ات ہاڑی

مُرت قلندر پیش تر ءُ ساری
ہالہیؔ آریف ءِ بگوئست باری

مہناز گوں بجار خاں پَما خواری
چو مُرگ پرّانا رفتہ اندازی

گوں خواجہیں مرداں داشتگ یے سیادی
اچ سیّد آں مہناؔز نسب داری

تاں ہشت ءُ دہ سال بَر پُشنگ نشتہ
یک روچ بے بجار گوں مادر ءَ گشتہ

عوؔمر میرؔو را بَداں کُشتہ
ڈنّ ءُ تاں سوراب مُلک اِش بُرتہ
جہہ بہ جہہ جدگال آں جہاں دُرشتہ
بَر منی دیما دست سیاہ اِش مُشتہ

براث منی سوگی انت بما جاہ ءَ
احمؔد ءُ مہراب مس مُلک سیواہ ءَ

آ سُمال کوہی رپتہ بہ کوہ آں
مینگؔل پَر نوشکی ءِ ڈل ءُ جوآں

گرُگین پر عومر خان حسد ناک انت
ہاؔلہ دل گیر ءُ ٹوہو غمناک اِنت

پر منی آریف ءَ دل اش چاک اَنت
سیاد ءُ خیش آ ونداش بیواک اَنت

نوں من ءَ آرام نہ بیت اِنت ہند ءَ
گہتر اِنت مَرگ چہ عاجزیں زند ءَ

یاں رَئیں آریفیں پت ءِ رَندا
گوں بَدیں مردآں دَئیں جنگ ءَ
گردگ ءَ اش نئیلیں مس وتی سندا
کَشّیں اش ارواہ ءَ چہ دل ءِ بند ءَ

من پرا آریفیں پت ءِ حون ءَ
آ نغآڑ ءَ را پُر کنیں جون ءَ
جُوئے سُوراب ءَ پُر کنیں حون ءَ

گوشتگ ات مہنآز پر ہمے گیگ ءَ
بند ملک بجآر گہنوریں تیگ ءَ

تو برو سوراب ءِ گوُر ءُ گیگ ءَ
کوہ سری نِند کہ روچ بیت بیگاہ

گوشو تئ پث ءِ خانہ زاد پیریں
بَر نغاڑ نِشتہ دوست ءُ غم زیریں

تو بہ گِر گوشوئ نشانی آں
گوش یے دراج اَنت چو کوہ پسانی آں
مودے باز انت چو کوہ بُزانی آں
کدّے بُرز انت چہ ہمسرانی آں
انگشت یے شش اَنت دست پہ دستی ءَ
اے نشانی اَنت دُرست ءُ دُرستی ءَ

تو بدئے حال یے دوست ءُ جانی ءَ
پر اندر ءُ پنہان ءُ نہانی ءَ

پہ گوشوئ پرمان ءَ پہ کن کار ءَ
براث آں جم کن پہ وقتِ ٹاپار ءَ
پر تو آ زُور انت زیادہیں بار ءَ

رَپتہ بجار پر حُکم ستّار ءَ
ایوک ءُ تہنا ءُ خبر دار ءَ
انتزار کُشیت پہ دو چشم چار ءَ
چو ہما جوگی کہ گِر انت مار ءَ

پنڈاں پنڈان ءَ ریتہ بازار ءَ
ٹِمباں ٹِمبان ءَ ماں شپ ءِ تہار ءَ

آحتہ ءُ نِشتہ پُشت دیوار ءَ
وقت بانگاہ ءَ روچ ءِ استار ءَ
گوشو را چار ات سردار بچّار ءَ
پر مادر ءِ پنت ءُ سوج ءُ گفتار ءَ

گوک یے گون ات انت پرملکی لنگار ءَ
سُہب سرا گزّین رَپتہ الگار ءَ

تاں گوش یے دراج انت مودرہوار ءَ
گوشو را زانت یے آمور رپتار ءَ

چو ہئور باری ءَ شِنز ات سردار ءَ
گوشّو ہم چاگرد کپتہ صد بار ءَ
عومرّی رنگ ءَ دُرست یے کُت آرا
پر ہما رنگ ءُ رُو ءُ رُخسار ءَ
گوشّو گوں ہاؤند آں بگفت زار ءَ

ماں دل ءَ جزم زانت یے ءُ تکرار ءَ
مَسلہ اش بَستہ چو دلی یار ءَ
رَپتگ اَنت ہر دو دیم پہ کُہسار ءَ
گُشتگ یے گزین ءَ ہما باب ءَ
نِند ملک بجار! تنک سوراب ءَ
اندر ءَ کارین نان ءُ تواب ءَ
من رئیں چِد آں حدِّ مار آپ ءَ
چو ہما سیّد کہ کن اَنت سرءاپ ءَ
ہر دوکیں دست آن ءَ جنیں چاپ ءَ

در اوّل گُرگین ءَ دئیں حال ءَ
گُرگین بر ٹوہو دنت انت احوال ءَ

ہالہ پہ بجار باز جتگ پال ءَ
براہو ءِ درد پر قوم جدگال ءَ

گوشو بہ گُرگینی در ءَ رَپتہ
مستا گی جوئے گیژ دغاں گپتہ

زال آں پر عاروسی سرے گوٗپتہ
کوہی چوپان آں لٹّ وتی زُرتہ

بگجت آں بگ آنی خیال بُرتہ
گووال آں گوک آنی خیال اِشتہ
لیڑواں مستیناں مَہار سِستہ

دُرّک گوں طفل آں شادہ یے زُرتہ
رئیس آنی درّک نچینگ یے کُرتہ

گوشو ءَ احوال بر آلم ءَ شَستہ،
گرگین ءَ احوال برسال بُرتہ،
گجّ ءُ گھپ بوت چو لیڑھِ مست ءَ
گوشو پر شاد کامی پدا رَپتہ
رپتگ ءُ جدگال ءَ احوال یے برتہ
بہر کن ات پالیزاں بدئے ونڈآں

آشکر نایں آہتگ اژ سَند ءَ
مس دل ءَ گوشت اوں کپت منی گنڈءَ

بجّار گوں بیل آں بَر سر سَند ءَ
چو نہ زانت ہرگز کہ نہ اِنت ہند ءَ
اندر ءَ نِشت ات زیر اسفند ءَ
جدگالؔ چو بے ساریں شراب وار ءَ
ایر کپتہ اَچ کوٹ ءُ گوَاتگریں شار ءَ
آہستہ برا پالیز ءِ بُن ءُ بہر ءَ

گوَانک جَتہ بجّارؔ خان پر آ زہر ءَ
گوَشتہ بر موجانیں دل ءِ لَہر ءَ

بیا اِت منی براث آں منی سُور اِنت
منی سُور ءُ آروس ءِ ہمے روچ اِنت

من ہما نیکیں ساہت آں لوٹیں
جتّ ءُ جدگال آں یک برا کُوٹیں

ہکّل یے دات اوں بَر گہیں برات آں
جہہ جتہ میروئی مزں گوات آں

در اوّل ٹوہو گوں تلّیں بَلّ ءَ
گوں کمان ءَ ءُ خنجریں ژلّ ءَ
پر سگار ءَ ءُ شیریں ہکل ءَ

دوّرے کُرتہ چو گُرشِنگیں گُرک ءَ
مان یے شانتہ چو کابلی تُرک ءَ

اِچ پدا ہالہ جہہ جتہ اش رندءَ
ہکّل پہ ہکّل ، گرئندہ پہ گرئندہ
رپتہ گوشو گوں براث ءُ پرزندءَ
گزّیں پہ تیگ ءُ گوشو پہ سنگ ءَ
نہرگ نر شیری جتگ دنگ ءَ
یک گوْر ءَ گُرّ ات حاجی سوپک ءَ
بر کمان ءَ ءُ تیگ یک ڈَک ءَ
باز جتگ شیر بیمیں بہادر آں!
جٹ ءُ جدگال چو شیر جتیں ہِرّ آں

گواراں ءُ حاجی ءُ صلاحی آں
میراں گوں نرشیریں جلمب زئی آں

ہالدانی آں ، گوں نغاڑیؔ آں
دیم اش کُرتہ بہ کوٹ ءُ ماڑی آں
بجاؔر گوں برات آں ریتہ گاڑھی ءَ
بُد بُرتہ بجار خانؔ پدا سکّا!!
گُڈّ ہما شیرآنی اوّل ڈکّ ءَ
براہوؔ منی پت قوم ءَ نوابین ءَ
گُرگین گوں فوج آں بے حسابین ءَ
ہالہ گوں براث آں جور جوابین آں
ٹوہو گوں سیاہ کار ءَ وکابین ءَ

ہیژگ یے وشّ اَنت پہ منی گوش آں
دژیپگ ءُ دژیپّان شُتہ ہوش ءُ
کپتہ مس جدگال ءِ پد ءُ پروش ءَ
گوشو وتی دست آن ءَ جتہ گوش آں
بَسّ کن ملک بجّاؔر! اش پدءِ کوش آں
اومرؔی حون ات دہ سری گپتہ
بیخ اِت جدگال ءِ اژبُن ءَ گُہتہ

شُکر ملک بچّار خان سلامت ئے
مُلک ءِ سردار ءُ صاحب ءُ راج ئے
کُلین براہو ءِ تنگویں تاج ئے

بُن شُتیں حون آنی حُدا بُند ئے
مُرتگیں ولّ آنی بَر ءُ بُور ئے
کوریں چم آنی منتگیں نُورئے
راج ءِ دستار ءَ تو اگاں زُورئے
جم کس وتی براث آں جَہہ ءُ برجاہ ءَ
احمد ءُ مہراب ءَ بہ دئے ڈاہ ءَ
اچ گُرگین ءُ ٹوہو تو مَیار شک ءَ
بِل سُمال ءَ کہ نِشتہ دل ترکّ ءَ
کوہ مار آپ ءَ گردیت ایوک ءَ
دیر مہ کن ، ہَئے کن بیلہ ءِ پٹّ آں
جَہہ پہ جہہ پاد مال کن ہما جَٹّ آں

جہہ پہ جہہ مُلک آن ءَ بُن ءُ بہر کن
پہ میروئی کٹّ آں نے برادر آں زہر کن

ڈاہ بدئے خاران ءِ گھیں میؔر ءَ
آ ملک دوستین و کلات گیر ءَ
نوشیروانی ءِ عادلیں میؔر ءَ
شاہ کیانی ءُ آ سِتم زیر ءَ
گواراںؔ ءُ سوپکؔ کہ دل واہی اَنت
درّ اوّل میروئی سلاحی اَنت
پنچ صد دُر گوشیں نغاڑی اَنت
سُہب ءُ بیگاہ ءَ گوں تو ساڑی اَنت
آخر تئی دیما یک رو گاڑھی اَنت
سیاہ پاد اگں جدگالؔ بوت تئی برات اِنت
دَرشُت شہ جٹّ ءَ ، نوں تئی ذات انت
زنگیؔ گوں سہرابؔ ءَ مزن گواات اِنت
موزہ پاد اِنت ءُ پرتو حیرات انت
ہژم گپتہ بجّاؔر خان برے حال ءَ
شستات ئے قاصد جھلا ءُ بالا
سر گپتہ فوج درّ اوّل شہ نالؔ ءَ
دیم پہ دیم بُوت گوں یوسفؔ جدگال ءَ
بیخ جدگال ءِ اِچ بُن ءَ گُھتہ
حدّ نالؔ کوّر تاں گُرُک آں بُرتہ
اِچ ہزار گنجی ءُ نالؔ ئے بہر زُرتہ

جتنگ ئے جدگاآل پر جہانی ءَ
وڈھ ءُ تاں اورناچ ءَ گوٗزانی ءَ
جہہ بہ جہہ فوج آن ءَ دو دیم گرٗند انت
مَند تاں پوراآلی جہاں ژند اِنت
ٹپّی ئیں ڈیڈار براہو ءِ سَند اِنت
حَد بجّار تاں کنڑّ چاری اَت
سیم یے تا سَرحد کشاری اَت
چانگُر ءَ سرحد بیلہ ءِ لکّ اَت
سوگند ءَ بور کہ میروئی کٹّ اَت
پہ راہ راستی ءَ حق گُرحق اَت
تاں ہما ہنگول ءَ تبرڈکّ اَت
در سر کولواہ حدّے تیر تیج اَت
دمب گواراآنی برسر ریج اَت
بالا نوں براہو ، جہلا جدگال اَت
بجاری بخشش پہ حمّل ءَ نال اَت
حمّل نالی میر ءِ اسپ پال اَت
نایب اش مُلک آنی شکر گال اَت
بیزمن جہہ ماہ یے آہی مال اَت
عومر بُزدار شوانگ ءُ مال اَت

نندہ سردار ءِ گوک آنی گوال اَت
وڈھ ملک دوستینیؔ بُن ءُ بہر انت

گرٛ یشگ یے حون، گجرّ یے شہر اِنت
باز پما دینارؔ ءَ دل یے قہر انت

آ تیمرؔ، بَجّؔ یوسفؔ ہوتکّ
نایب وڈھ تاں ءُ ہیرؔ یکّ یکّ
حدّ ِ دراؔ کالو تاں سرِ سرلک
نصف جیواؔ تاں رودِ سوراب ءَ
پارکوئیؔ جوتا حدّ خُرماگ ءَ
بخشتہ بجّار جتیں سُہراب ءَ
کرخؔ، چکو تاں کہ زیدی، باغبانہ
بخشتہ بجّارؔ، مہرآب نوجوان ءَ

کھنڈ مستونگؔ تاں کوٹِ خضدارؔ ءَ
پہ احمدؔ ءُ کمبرؔ داتہ سردار ءَ
گیرٛ دغاں گِر تاں خُلکنا کھڈ ءَ
مُلک لاکوریاںؔ تاں سر چھڈ ءَ

جیبریؔ کاریز تا جوریؔ ءِ وڈّ ءَ
خیسن دونیؔ تاں دشت اَبڈّءَ
داتہ گُرگین ءُ دُرّک یک ڈکّ ءَ
آ سُمال بے بہر بوتہ ایوکّ ءَ
کہ گوں نہ کپتہ ہلمہ ءُ دکّ ءَ
کوش جدگال ءِ پُرستہ چُنڈ ءَ

اِش ہما روچاں گُرگینؔ پِر گوُستہ
ٹکّر ءُ ٹکّرانی سرا سِستہ
بجّار ءَ دستارے بر سرا بَستہ
زیارتؔ گاہ آں تا نصف تُوتک ءَ
روشن آپ ءَ تاں جیبریؔ زِکّ ءَ
جوئے میرانؔ ءَ تاں کہ گُرگُٹ ءَ
سیرکؔ ءَ تاں کہ اَوابؔ ریک ءَ

اِچ گبرریک ءَ تاں سلامؔ بیک ءَ
جہلاوان ءَ تاں واشکیؔ ریک ءَ
پہ ہالہؔ ءُ ٹوہو داتگ اَت میرؔ ءَ
عومرؔ میروئی گہیں خان ءَ
شاہ بیگ ءَ بخش اِت آ سراوانؔ ءَ

دشت گوراں تا آ حدّ چاتی
سُرومہ سنگ تاں کوہ مار آپی
پہ مینگل ءَ بجّار بخشتہ زیاتی
ذگراں نوک کُرتہ سیالی ءُ براتی
خاران تا گڑی کاسگ ءُ لوپ ءَ
پہ حاجی سو پک ءَ بخش اِت چمروک ءَ
مولئی جوتاں سیاہ گری کوہ ءَ
تاں ہما تُرندین ءِ کوَر جو ءَ
پہ گواران ءَ بخش اِت زہم جنیں خان ءَ
پہ صلاحی داتے تیوہ گوندان ءَ
مٹّ پہ زرّک بخش اِت نوجوان ءَ
نیم تُوتک تاں کوہ گاجی ءَ
آں بَری مُلک پُشت ہُوکانی ءَ
پہ ہالد ءَ شیر ءَ داتہ ساری ءَ
بخش اِتہ بہرے آ جلمب زئی ءَ
چُنڈے ہم زیادئی داتہ آئی ءَ

پہ آدم ءَ بخش اِت بجّار سُہر چیل ءَ
کلغلی بُھٹ تاں نیلی ءِ بیل ءَ

پہ میرانؔ ءَ لاکورؔ بخش اِت سردار ءَ
کہنیں کاریزے قدّ مَرد ءَ را
دَمب مار آپؔ تاں ہنار ترکّی
بخش اِتہ بھرے سردار ءَ زیرکّی
حدّ ڈنّؔ ءَ تاں مُلک تُوتکی
بَرنغاڑؔ جو یے دات ایوکّی
آ وفاداریں گوشو ءَ حقّی
اچ سنگ سوراب تاں زنگی گھٹ ءَ
انجیرہؔ کوَر تاں زہری ءِ پٹّ ءَ
مِلکیں ڈگاران ءَ کونڈاریؔ لٹّ ءَ
گوشوؔ ءُ گزّین ءَ داتہ بے مٹّ ءَ
ہر کس کہ گوشوئیؔ گھیں ذات اِنت
براث ءُ فرزند ءُ خیش ءُ ہم سیاد انت
یاں کہ سیاد اِنت یا پٹ ءُ برات انت
پہ لبز بجّار ءَ آر ءُ آزات انت
بجّارؔ عومرؔ، براہوؔ ءِ میر اِنت
گُلّیں راج آنی زیارت ءُ پیر اِنت
بجّارؔ عومرؔ نام یے لکھ بخش اِنت
نام یے ماں شئیر ءُ دپتراں نقش اِنت

بجّاؔر عومؔر نام یے ''مردوار'' انت
کلّیں براہوؔ ءِ خان ءُ سردار اِنت

تو بگر مُلک آنی آہی دراجی ءَ
راستی ءُ سوگند کن گوں قاضی ءَ
کھڈ مستونگ تاں مندؔ حاجی ءَ
مند حاجی تاں روشن آپی ءَ
روشن آپی تاں آ سر آپی ءَ
اچ آواران تاں کوٗر عالی ءَ
جاؤ ءُ ہنگول تاں کِشاری ءَ
بیلو ءَ بجّار گپتہ مالی ءَ
نوکریں نال ءَ بُرت انت حالی ءَ
حاران ءَ ہاؔلہ بُرت پہ سیالی ءَ
بہ ور کلام ءَ پہ حق ءُ راستی ءَ
کہ نیست انت کسّ ءَ غیرت بازی ءَ

رزمیہ نظم کا ترجمہ

☆ خوشا وہ زمانہ جب ہر طرف سیر و شکار اور گھڑ سواری کے مشاغل تھے۔

☆ کیسے خوشگوار اور مسرتوں سے بھر پور ایّام تھے۔ جن کی یادیں خنجر بن کر کلیجے میں چبتی ہیں۔

☆ اُن دنوں کی طویل کہانیوں سے کئی یادیں وابستہ ہیں۔

☆ میرو کا بیٹا عمر ٹھنڈے موسم والے نغاڑ میں خوشحال اور آسودہ رہتے تھے، اپنی بی بی مہناز اور بیٹے بجّار کے ساتھ سرداری میری میں ہر غم سے بے نیاز تھے۔

☆ نوکروں اور دایاؤں کے لاڑ اور پیار میں ملک بجّار پل رہا تھا۔ جو اپنی ماں کی آنکھوں کا تارا اور ہزار ناز و نعم میں تھا۔

☆ شروع میں اُسے قرآن پڑھنے پر بٹھایا گیا اور اُسے ہر ہر لفظ کا مطلب سمجھایا جاتا تھا۔

☆ عالم لوگ روزانہ اُسے پڑھانے آتے تھے اور اُس کی ماں اُس پر سونے کا صدقہ کرتی تھی۔

☆ اُس کا باپ عمر جشن پر جشن مناتا تھا اور غریبوں کو داد و دہش سے نوازتا تھا۔ میرو کے بیٹے عمر کی دھاک ہر جگہ بیٹھی ہوئی تھی۔

☆ کہیں سیر و شکار کے مشاغل تھے اور کہیں گھڑ دوڑ کے میلے ہو رہے تھے۔

☆ وہ قبیلہ کا سردار اور علاقے کا طاقتور شخص تھا۔ عُمر ولد میرو نے ایک خطّے کو سنبھالا دیا

ہوا تھا۔

☆ وہ عالی نسب قریش کا ایک عادل عطیہ تھا۔ تمام براہو خاندان کے لئے ایک فولادی باڑھ تھا۔

☆ وہ میر حسن خان کی نسل سے تھا۔ کمبر زئیوں کا اپنا اور قریبی رشتہ دار تھا۔ گہرام اور براہیم کا ایک بے مثال تحفہ تھا۔ وہ حمزہ اور عبّاس کی جانب سے دنیا کے لئے سوغات تھا۔

☆ براہو قبیلہ کی شہرت جا بہ جا ہے۔ اُس کے پاس بخت، دولت اور لشکر و افواج کی کمی نہیں تھی، وقتاً فوقتاً وہ فتوحات کے جشن مناتے تھے۔

☆ وہ اپنے قلعہ میں ہر فکر و غم سے آزاد و مطمئن تھے کہ اچانک جاموٹ لشکر کشی کر کے حملہ آوَر ہوا۔ اُس کے ہمراہ حبّ اور سارونہ سے میر چُھٹا کی سرکردگی میں ایک اور لشکر تھا۔ بیلہ کے قلعہ سے یہاں تک لشکر ہی لشکر چلے آرہے تھے۔

☆ کچھی سے لے کر پاچ تک، کرخ، چکُو سے لے کر مُولاندی تک، لس بیلہ سے لے کر وڈھ اور اور ناچ تک لشکر ہی لشکر تھا۔

ہتاچی سے شکر جام زئی کا لشکر الگ (ان کی مدد کو) تھا۔ جو پورے علاقے میں براہو لوگوں پر آہن و آتش برسا رہے تھے۔

☆ ناگہاں ان حملوں کی خبر عمر کو پہنچائی گئی کہ لس بیلہ اور کچھی سے جدگال لشکر سوراب کو تہہ و بالا کرنے پہنچ گئے ہیں۔

☆ تم قوم کے سردار اور علاقے کے سربراہ ہو، تم ہی براہو لوگوں کے پیشوا اور ذی وقار ہو۔ میروانی قبیلہ کے لئے تم خسرو اعظم کی طرح ہو، تم ساون کے گھٹاؤن میں کڑکتی بجلی اور مقتولین کا انتقام گیر ہو۔

☆ جدگال اپنے تمام اسباب حرب اور لاؤلشکر کے ساتھ حملہ آور ہو چکے ہیں اور براہو لوگ ان کے خلاف میدان میں اُتر چکے ہیں۔

☆ عمر یہ سب کچھ سن کر اپنی نشست سے اُچھل پڑا، اور مقابلے کے لئے نکل پڑا۔ وہ (اپنے لوگوں کے ساتھ) جدگالوں کے مقابلے میں تھا۔ ایک طرف جٹ تھے اور ایک طرف میروانی۔ (عین شباب جنگ میں) عمر اپنے بھائیوں کے ساتھ مارا گیا اور جدگالوں نے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔

☆ (قلعہ میں) قتل عام ہوا اور عورت لوگ بھاگ نکلے۔ گرگین اس روز موجود نہیں تھا اور پہاڑی سُمال بھی اس کا ساتھ نہ دے سکا۔ قلندر سب سے پہلے شہید ہوا۔ ہالہ کے باپ نے جان قربان کی۔

☆ ماہنا زبجّار کو لے کر بڑی مشکلوں میں گھر گئی تھی وہ ایک چڑی کی مانند اپنے بچے کو پنجوں میں دبا کر اڑ گئی تھی۔

☆ مہنا زنسباً سیّد زادی ہے اور ''خواجہ'' لوگوں کی رشتہ دار ہے۔

☆ وہ پُشنگ (پشین) میں آٹھ اور دس سال (18 سال) تک رہی۔

☆ ایک دن بجّار نے اپنی ماں سے کہا: عمر ولد میرو کو دشمنوں نے مار ڈالا۔ ڈنّ سے سوراب تک کے (براہوئلک) پر ان کا قبضہ ہے۔ جدگالوں نے جگہ جگہ تباہی مچا کر میرے مُنہ پر کالک مل دی ہے۔

☆ میرے بھائی بند اور عزیز و اقارب تمام ماتم کناں ہیں۔ احمد اور مہراب سیوا کے ملک (قلات) میں ہیں۔ پہاڑوں کا باسی سمال کوہ گردی میں ہے۔ مینگل نوشکی کی ندیوں اور پتھریلے میدانوں کو جا چکے ہیں۔

☆ گرگین (عمر کے قتل پر) انتقام کے لئے بے تاب ہے۔ ہالہ اور ٹوہو غموں سے

نڈھال ہیں۔ انہیں میرے بہادر باپ کی موت نے سینہ چاک کر دیا ہے۔ دیگر عزیز و اقارب تمام غمزدہ ہیں اور لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

☆اب میں مزید یہاں اطمینان سے نہیں رہ سکتا۔ اس زندگی سے تو موت ہی بہتر ہے۔ یا میں دشمنوں سے بزد آزما ہو کر اپنے باپ کی طرح جان دوں گا۔ یا انہیں اپنی سر زمین پر دندناتے نہیں چھوڑوں گا۔ میں ان کا کلیجہ نکال لوں گا۔

☆میں اپنے باپ کے خون کے انتقام میں نغاڑ میں کشتوں کے پُشتے لگا دوں گا اور سوراب کے جوئے آب کو خون سے بھر دوں گا۔

☆(اُس کی ماں) مہناز نے بیٹے کی باتیں سنیں اور (خوش ہو کر) کہا: ملک بجّار! گوہر دار تلوار کمر سے باندلو!! اور سوراب کے آس پاس پہنچ کر کسی پہاڑی دامن میں شام کا انتظار کرو۔

☆تمہارے باپ کا پرانا وفادار اور دردمند غلام گوشونغاڑ ہی میں رہتا ہے۔ تم گوشو کی خاص خاص نشانیاں یاد رکھو۔

☆اُس کے لمبے لمبے کان ہیں جیسے پہاڑی بکروں کے ہوتے ہیں۔ پہاڑی بکریوں کے بالوں کی طرح اس کے گھنے اور بسیار بال ہیں۔ اور اپنے ہمعصر والوں سے قد میں لمبا ہے۔ اُس کے ہر ہاتھ کی چھ چھ انگلیاں ہیں۔ یہی اُس کی نشانیاں ہیں جنہیں شناخت کر کے اُسے پہچان لو۔

☆اُسے خفیہ طریقے سے اپنا مدّعا بتا دو۔ اور اسی کی ہدایات اور مشوروں پر عمل کرو۔ اور اپنے بھائی بندوں کو جنگ کی ہولناک گھڑی کے لئے تیار کرو جو تمہارے بوجھ کو ہلکا کر دیں گے۔

☆بجّار اللہ کا نام لیکر روانہ ہوا، سانپ پکڑنے والے جوگیوں کے روپ میں گاؤں گاؤں

روٹی کے ٹکڑے مانگتا ہوا، گھپ اندھیری راتوں میں چلتا گیا۔

☆ (اپنی منزل پر پہنچ کر) ایک دیوار کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ صبح سویرے، ماں کی بتائی ہوئی گوشو کی نشانیوں کو ذہن میں رکھ کر آنے جانے والوں کو دیکھتا رہا۔

☆ تب اُس نے بیلوں کو ہل چلانے کے لئے لیجاتے ہوئے گوشو کو دیکھ لیا، اُس نے گوشو کو اُس کے لمبے کانوں اور لٹکتے ہوئے بالوں سے پہچان لیا تھا۔

☆ خوشی سے اُس کا چہرہ دمک اُٹھا، گوشو نے بھی عمر کے نقوش سے اُسے پہچان لیا تھا اور اُس پر وارے ہوئے جارہا تھا۔

☆ گوشو اُس کے آنے کا مقصد جان چکا تھا، آپس میں حال واحوال دینے کے ساتھ وہ دو جگری دوستوں کی طرح باتیں کرتے ہوئے پہاڑوں کی طرف چل پڑے۔

☆ (اُس نے اپنے بھائی) گزّین کو سمجھا کر بجّار کی نگہبانی کو بٹھادیا اور ملک بجّار سے کہا! سوراب تنک (گھاٹی) میں چھپ کر بیٹھ جاؤ۔ میں کھانے کا بندوبست کر کے آتا ہوں۔

☆ (پھر گوشو نے ملک بجّار سے مشورہ کر کے کہا) میں یہاں سے مار آپؔ (سوراب میں ایک گاؤں) جاؤں گا اور چوری چھپے پہلے گُرگین (میر عمر کا بھائی) کو (تمہارے آنے کی) خبر دوں گا۔ پھر گُرگین ٹوہو (عمر کا بھتیجا اور مقتول قلندر براہوکا بیٹا) کو جا کر اطلاع دیدے گا۔

☆ ہالہ (ٹوہو کا بھائی) نے کئی بار بجّار کے بارے میں نجومیوں سے رُجوع کیا ہے۔ وہ جدگالوں سے انتقام کے لئے دانت پیس رہا ہے۔

☆ گوشو سب سے پہلے گرگین کے ہاں پہنچا۔ اُس نے (بجّار کے آنے کی خوشخبری لانے کے عوض) گیشر دغان کا (سوراب کا ایک گاؤں) جوئے آب اُسے بخشش دیا۔

☆(سب عزیز واقربا اور ہمدردوں کو تیار کرنے کے بعد) عورتوں نے شادی کا جنج لیجانے کا ڈرامہ رچایا۔ چرواہے ریوڑوں کے ساتھ نہیں گئے اور اپنے ڈنڈے اور اسلحہ سنبھال لئے (اور شادی والے ڈرامے میں شامل ہوئے)

☆جتّوں (اونٹ چرانے والوں) اور گوالوں (گائے چرانے والوں) نے اپنے اپنے جانوروں (کو چرانے) کا خیال چھوڑ دیا (اور شادی کے ہجوم میں آملے)۔ رئیس (قبیلہ) کے درّک نے بچوں کے ساتھ خوشی سے ناچتے جھومتے جشن منایا (اور شادی کے ڈرامے میں شامل ہوئے)۔

☆ گوشو نے چاروں طرف پیغام پہنچائے۔ گُرگین نے جا کر سمال کو خبر کردی۔ حوال دیتے وقت اُس کے منہ سے باؤلے اونٹ کی مانند جھاگ نکل رہا تھا۔

☆ پھر (پروگرام کے مطابق) گوشو جدگالوں (کے سردار) سے حال کرنے گیا۔ اُس نے للکار کر کہا'' آؤ میرے خونی اور زمین کے شریکو! حساب دو!! اور پالیز کے فصل کے حساب دے دو!

☆ اُس طرف سے شکر نامی (جدگال معتبر) باہر نکل آیا۔ (گوشو نے) دل میں کہا کہ اب جال میں پھنس گیا ہے۔ بجّار اپنے (مسلّح) لوگوں کے ہمراہ ایک بند کے پیچھے چُھپا بیٹھا تھا۔

☆ جدگال (سردار) نشہ میں بدمست شرابی کی طرح قلعہ سے اتر کر نیچے آیا۔ تاکہ فصل کی بٹائی کرے۔

☆ دوسرے سمت سے بجّار خان جوشِ انتقام سے دھاڑنے لگا اور اپنے لوگوں کو پکار پکار کر کہنے لگا۔

آؤ بھائیو اور عزیزو! آج میری شادی کا دن ہے۔ یہ سارا انتظام میں نے آج کے دن

ہی کے لئے کیا ہے۔آج کے دن کی نیک ساعتوں کا مجھے انتظار رہا ہے۔تا کہ میں جتوں اور جدگالوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کرر کھ دوں۔

☆ایک ہی نعرہ جنگ سے بھائی بندوں کو پکارا تو مغرور میروانی ہر طرف سے نکل پڑے۔

☆سب سے پہلے ٹوہو، تلوار، ، خنجر اور کمان سے مسلّح (اپنے حامیوں کے ساتھ) تھا اور شیر کی طرح ڈھاڑتا ہوا میدان میں نکلا۔

☆وہ ایک بھو کے بھیڑیا کی طرح دشمن پر جھپٹ پڑا اور کابل کے ترکوں کی طرح حمہ آور ہوا۔

☆اس کے پیچھے ہالہ گرجتے بادلوں کی طرح حملہ آور ہوا۔ پھر گوشوا اپنے بھائی اور بیٹوں کے ساتھ (دشمن پر) حملہ آور ہوئے۔وہ جنگی آدم خوروں کی طرح جھپٹ پڑتے تھے۔

☆ایک طرف سے حاجی سوپک اپنے نیزے اور بھاری بھر کم تلوار سے وار کررہا تھا۔شیر دل بہادروں نے کئیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

☆ جدگال (شکست خوردہ ہو کر) ایسے بھاگ رہے تھے جیسے شیر سے شُتر بچے بھاگتے ہیں۔

☆ گواراں وحاجی اور صلاحی کے لشکروں نے، میران اپنے جلمب زئی لشکر کو لئے، ہالہ اور نغاڑی کے لشکروں نے، قلعہ پر دھاوا بول دیا۔

☆حملہ آور بہادروں کے اس حملے کے بعد بجّار خان اپنے لوگوں اور براہو عزیز و اقارب کے ساتھ جدگال آبادیوں کے پیچھے چلے۔ان کے ساتھ گُرگین اپنے لاتعداد لشکر کے ہمراہ تھا۔ہالہ اپنے حاضر جواب بھائیوں کے اتحادیوں کے ہمراہ، ٹوہو اپنے شاہین صفت گھوڑی پر سوار اپنے لشکر کے ہمراہ، دشمنوں پر گرج گرج کر حملہ کرنے لگے تھے۔

☆ گوشو نے (بیدردی سے قتل وغارت گری کا منظر دیکھ کر) اپنے کان پکڑ لئے اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر سماجت کرنے لگا۔

☆ بس کرو ملک بجّار! مزید قتل وغارت گری سے ہاتھ روک دو۔ تم نے دس گنا زیادہ عمر کے خون کا انتقام لے لیا ہے۔ جدگالوں کی جڑیں تک کاٹ ڈالی ہیں۔

☆ اللہ کا شکر ہے ملک بجّار! تم صحیح سلامت ہو۔ تم قوم کے سردار اور رعیت کے حاکم ہو۔ برا ہو قبیلہ کے سر کا تاج ہو۔ تم ہی گم گشتہ مقتولوں کے انتقام گیر ہو۔ مُرجھائے ہوئے دلوں اور اندھی آنکھوں کی نورانی امید ہو۔

☆ اگر قوم کی دستار کی ذمہ داری اٹھاتے ہو تو جدھر کدھر سے اپنے عزیزوں کو بُلا لاؤ۔ اَحمد اور محراب کو اطلاع بھیج دو، گُرگین اور ٹوہو کی وفاداری شک وشبہ سے بالا ہے۔ سُمال بُزدل کو نظر انداز کر دو جو جنگ سے خوفزدہ ہے۔ اُسے اکیلا مار آپ کی پہاڑیوں میں آوارہ پھرنے دو۔

☆ (لیکن اس سے قبل) لشکروں کو بیلہ کے میدانوں کی سمت لے چلو، جگہ جگہ جٹ آبادیوں کو پامال کرتے چلو اور جگہ جگہ کی مقبوضات کو اتحادیوں میں تقسیم کرو۔ دیکھنا! میرو کے فتح کئے ہوئے علاقوں کی مقبوضات کے لئے بھائی بندوں کی ناراضی مول نہ لینا۔

☆ خاران کے لائق اور بہادر میر (نوشیروانی سردار) کو بھی اطلاع بھیج دو۔ قلعوں کو سر کرنے والے فاتح ملک دوستین (نوشیروانی) کو، جو ایک عادل میرو حاکم ہے، جو کیانی شاہی خانوادے کا چشم وچراغ ہے اور (بیٹے کے مقتول ہونے کی وجہ سے) ستم زدہ اور غمگین ہے۔

☆ گواران اور سوپک تیرے چاہنے والوں اور خیر خواہوں سے ہیں جو شروع سے میرو کے مسلح ساتھی رہے ہیں۔ کانوں میں بالیاں پہننے والے تیرے جانثار پانچسو نغاڑی

ہیں۔ جو پھر کسی روز تیرے ہی لئے جان نثار کریں گے۔

☆ سیاہ پاد (قبیلہ) اگرچہ جدگالوں سے تھا لیکن تمہارا اتحادی رہا اور اب وہ جٹّوں سے الگ ہو چکا ہے اور اب وہ تمہارے بھائی ہیں۔

☆ زنگی اور سہراب دونوں جرأت کے پیکر ہیں اگرچہ بوٹ پہنتے ہیں لیکن تیرے جانثاروں سے ہیں۔

☆ (گوشو کی باتیں سن کر) بجّار خان جذباتی ہو گیا تھا اور آس پاس (مدد کے لئے) اپنے قاصد بجھوا دیئے۔ (جس کے نتیجے میں) سب سے پہلے لشکر نال سے روانہ ہوا۔ اور یوسف جدگال کی سرکردگی میں جدگال لشکر سے نبرد آزما ہوا۔

☆ جدگالوں میں کشتوں کے پشتے لگا کر ان کی (علاقے سے) بیخ کُنی کی۔ اور نال ندی سے تاحدِ گروکؔ ان کا پیچھا کیا۔ اور ہزار گنجی اور نال کی اراضیات پر قبضہ کیا۔

☆ جدھر کدھر جدگالوں کو شکست پر شکست دیتا رہا اور وڈھ اور اورناچ تک اور اُس سے آگے ان کا پیچھا کیا۔ جگہ جگہ دونوں دشمن لشکر گھتم گتھا ہوتے تھے۔ مندؔ سے پورالی تک خونریزی جاری تھی۔

☆ (جنگ بندی کے بعد) ٹپّی ڈیڈآر (زخمی توہر کا درخت) براہوؔ قبیلہ کی سرحد ٹھہری۔ بجار کے حدود کنڑؔ چاری تک تھے اور اُس کی کھینچی ہوئی سرحد کشاریؔ (گاؤں) تک تھا۔

☆ دوسری سمت (جنوب مغرب) اُسکی سرحد بیلہ لکّ تھا۔ یہ حلفیہ طور پر میروؔ کے فتح کئے ہوئے علاقے تھے۔ سچ ہے کہ حق آخر حقدار ہی کو ملتا ہے۔

☆ (دریائے) ہنگول تک (میرو) کے تلوار کے نشان موجود ہیں۔ کولواہ کے سرے پر تیر تیج تک، ریجؔ میں ''دمبِ گوارانی'' تک (میرو کی مفتوحات ہیں) اب (بمطابق

حد بندی) شمال کی طرف براہوا اور جنوب کی طرف جدگال کا ہوا۔

☆ حمّل کے لئے بجّار کا انعام نالؔ گاؤں ہوا۔ نال کا حمّل میر کا سائیس تھا اور وہ خوش گفتار اُس کی اراضیات کا نائب بھی تھا۔ ماہوار بیس من جو اُس کا راشن (مقرر) تھا۔ عمرؔ بُزدار (بکریاں پالنے والا) اُس کے بھیڑ بکریوں کا چرواہا اور ننده، سردار کے بیل گایوں کا رکھوالا تھا۔

☆ وڈھؔ (کی مقبوضات) ملکؔ دوستین کو بطور حصّہ دیا گیا۔ اور گریشہؔ (گاؤں) اس (کے بیٹے) کا خون بہا اور گجرّ اُسے رہائش کے لئے دیا گیا۔

☆ یوسف ہوتک کے بیٹے تیمورؔ کو وڈھ سے وہیر تک (کی مقبوضات) اور دراکالہ سے لکّ (باران) کے سرے تک (کی مقبوضات) کی نائبی دی گئی۔

☆ جیواؔ (کی مقبوضات) کا نصف سوراب ندی تک، پارکوؔ کا جوئے آب تا خرما گئے (کی مقبوضات) سُہراب جتّ (سیاہ پھاد) کو خدمات کے عوض دیا گیا۔

☆ کرخؔ، چکُو سے زیدیؔ تک اور باغبانہؔ (کی مقبوضات) بجّارؔ نے نوجوان محرابؔ کے حصّے میں دیئے۔ کھڈّ مستونگؔ (کھڈ کوچہ) سے خضدار قلعے تک (کی مقبوضات) سردار نے احمدؔ اور کمبرؔ کو بخش دیئے۔

☆ گیشر دغاںؔ سے لیکر خلکنا کھڈ تک، لاکھوریاںؔ علاقہ چھڈؔ کے سرے تک، جیبریؔ کا ریز سے جوریؔ کے میدان تک، خیسُن دون سے دشت بڈّو تک (کی مقبوضات) گُرگین اور دُرّک کو دیئے گئے۔ سُمال کے حصّے میں کچھ نہیں آیا کیوں کہ اُس نے لڑائی میں حصّہ نہیں لیا تھا اور جدگال کی قتل وغارت پر غمزدہ تھا۔

☆ انہی دنوں گُرگین (مع اتحادیوں کے) الگ ہوا۔ بجّار نے اُسے (اپنے اتحادیوں پر) سردار مقرر کر کے دستار بندی کی۔

☆ زیارت گاہوں سے نصف تُوتک تک، روشن آپ سے جیبر ی زِک تک، جوئے میران سے گُرگٹ تک، سیرک سے آواب ریک تک، گبر ریک سے سلام بیک تک، جہلاوان سے ریگِ واشک تک کی مقبوضات میر نے ہالہ اور تُوہو کو خدمات کے عوض بخش دیئے۔

☆ عمر ولد میرو کے ہر دلعزیز خان نے سراوان (علاقہ خاران) شاہ بیک کو بخش دیا۔

☆ دشت گوراں سے حدودِ چھاتی تک، سُرمہ سنگ سے کوہِ مار آپی تک، بجّار نے (سابقہ خدمات کے عوض) مینگل (قبیلہ) کو اضافی دیا۔ کیوں کہ ذگروں (ذگر مینگل) نے بھائی بندیوں اور رشتہ داریوں کو پھر سے استوار کرلیا ہے۔

☆ خاران سے گڑی کا سنگ اور لوپ تک (کی مقبوضات) اِس نورچشم نے حاجی سوپک کو دیئے۔

☆ مولئی جو سے سیاہ گری پہاڑی (سلسلے) تک اور تُرند یں ندی سے نکالے گئے آبِ جوتک۔ تلوار کے دھنی خان نے گواراں کو بخش دیئے۔

☆ صلاحی کو سارے کا سارا گوئندان (موضع) دیا گیا۔ اور اس نوجوان (بجّار) نے مٹّ (کی مقبوضات) زرّک کو دیئے۔

☆ نصف تُوتک سے لے کر گوہِ گاجی تک، دوسری سمت میں ہوکانی کی پُشت کی مقبوضات سے اِس شیر صفت نے حالد کو پہلے ہی (حصّہ) دیا تھا۔ (اس میں سے قبیلہ) جلمب زئی کو بھی حصّہ دیا گیا اور ایک قطعہ اضافی بھی اُسے دیا گیا۔

☆ آدم کو بجّار نے سُہر چیل اور کلغلی بُھٹ سے نیلی بیل تک (کی مقبوضات) بخش دیں۔

☆ میراںؔ کو سردار نے لاکھوریاںؔ (کی مقبوضات) اور قد آدم کی گہرائی کا کاریز (خدمات میں) دیا۔

☆ دمبِ مار آپؔ سے تا حد انار ترِ کّی، سردار نے حصّے کے طور پر زیرکؔ کو دیا۔

☆ حدودِ ڈنّ سے تُوتکی اراضیات تک (کی مقبوضات) اور نغاڑ میں ایک آب جو صرف گوشوؔ وفادار کو دیا گیا جو اُس کا حق بنتا تھا۔

☆ سنگِ سوراب سے زنگی گھٹ تک، انجیرہؔ نالہ سے زہری کے میدان تک، کونڈاری سلسلے کی زرخیز اراضیات (تک کی مقبوضات) گوشوؔ اور گزّین (گوشو کا بھائی) کو مشترکہ طور پر سردار نے دیئے جس کا کوئی مقابلہ نہیں۔

☆ (بجّار نے اعلان کیا) جو بھی گوشو کے قبیلہ سے ہے، اُس کا بھائی، بیٹا، عزیز قریب، یا رشتہ دار ہے، آج بجّار کے وعدے کے مطابق (غلامی، خدمات سے) بالکل آزاد ہے۔

☆ بجارؔ ولد عمر، براہو (لوگوں) کا میؔر ہے، ساری رعیّت کے لئے معتبر و محترم ہے، اُس کا نام لکھ بخش (لاکھوں کا بخشنے والا سخی) ہے جس کا تذکرہ کتابوں اور شاعری میں ہے۔

☆ بجّار ولد عومر جو دشمنوں کا سر کچلنے والا مشہور ہے، تمام براہو (قبیلہ) کا خان اور سردار ہے۔ اُس کی مفتوحات کی وسعت دیکھی جا سکتی ہے۔ اور یہ فتوحات حلفیہ حقیقی اور سچائی پر مبنی ہیں جن پر قاضیوں کی عدالت میں حلف لی جا سکتی ہے۔

☆ کھڈّؔ ء مستونگ (کھڈ کوچہ) سے لے کر مندؔ حاجی (منگچر) تک، مندِ حاجی سے لے کر روشنؔ آپی تک، وہاں سے سر آپ تک، آواران سے لے کر عالیؔ ندی (علاقہ بیلہ) تک، جاہوؔ اور ہنگولؔ سے لے کر کشاریؔ (علاقہ بیلہ) تک (اُس کی فتوحات

ہیں۔(اس کے علاوہ) بجّار نے بیلّہ (کے علاقوں) سے بھی مالیہ وصول کیا ہے۔ نالّ کے خدمت گار کو نال (ایسا ہی) دیا گیا۔ خارانّ (کی مقبوضات) رشتہ داری میں ہالّہ لے گیا۔

☆ مذکورہ واقعات اور (اراضیات) کی فتح اور منصفانہ تقسیم اللہ کی پاک کتاب پر حلفیہ ہے۔ یہ (حلف) ضروری اس لئے ہے کہ (آجکل) لوگوں پر (بہ سبب کمزوری غیرت) یقین نہیں کیا جاسکتا۔

حوالے کی کُتب:

1۔ آئین اکبری از بوالفضل 1590ء، اردو ترجمہ از مولوی محمد فدا علی۔

2۔ اخبار الابرار از آخوند محمد صدیق 1276ھ

3۔ امپیریل گزیٹئر آف انڈیا، صوبائی سیریز (بلوچستان) 1907ء۔

4۔ اے ہسٹریکل اینڈ ایتھنو گرافیکل سکیچ، از ایم۔ ایل۔ ڈیمز 1904ء۔

5۔ پاپولر پوئٹری آف دی بلوچ از ایم۔ ایل۔ ڈیمز 1907ء۔

6۔ تاریخ بلوچیاں از سردار غلام رسول کورائی۔

7۔ تاریخ خوانین قلات (اردو ترجمہ اخبار الابرار) از میر گل خان نصیر 1977ء۔

8۔ کتاب دربار تا چیوشی قلات از مولوی دین محمد کھوکر 1932ء۔

9۔ کوچ و بلوچ از میر گل خان نصیر 1969ء۔

10۔ چچ نامہ از قلیچ بیگ فریدون بیگ، 1908ء۔

11۔ بلوچستان از اے ڈبلیو ہیوگز، 1877ء۔

12۔ دی براہوئی لینگویج از ڈینس برے، 1909ء۔

13۔ دی اینلز اینڈ اینٹی کوئٹیز آف راجستان، 1884ء۔

14۔ تحفۃ الکرام از میر علی شیر قانع 1304ھ۔

15۔ ایک منزل تین راستے از عبدالحلیم اثر افغانی، اردو ترجمہ میر محمد خان مری۔

16۔ تاریخ بلوچستان از رائے بہادر بیتو رام 1907ء۔

17۔ مختصر تاریخ ۴ قوم بلوچ و خوانین بلوچ از خان میر احمد یار خان بلوچ 1972ء۔

18۔ ہسٹری آف بلوچ ریس اینڈ بلوچستان از سردار خان گشکوری 1957ء۔

19۔ بلوچستان، تاریخ کی روشنی میں از ملک محمد سعید دہوار 1985ء۔

20۔ پاکستان نزو ویسٹرن بارڈر لینڈز از اینسلی ٹی ایمبری۔

21۔تاریخ قلات، حصہ اوّل (سندھی) از مولائی شیدائی۔
22۔تواریخ بلوچ از ڈاکٹر میر عالم راقب۔
23۔ ''بلوچستان تاریخ کے آئینے میں'' از جسٹس میر خدا بخش خان مری 1980ء۔
24۔بلوچ قوم اور اُس کی تاریخ، از مولانا نور احمد خان فریدی 1968ء۔
25۔ٹریولز ان سندھ اینڈ بلوچستان از ہنری پاٹنجر 1816ء۔
26۔ ''سیستان'' از جی۔پی۔ٹیٹ 1905ء، اردو ترجمہ از پروفیسر انور رومان 1985ء۔
27۔بلوچستان ڈسٹرکٹ گزیٹئر جلد ہفتم 1907ء۔
28۔تاریخ بیہقی۔
29۔تاریخ قلات (جغرافیہ) از مولائی شیدائی۔
30۔تاریخ چترال از منشی محمد عزیز الدین 1977ء۔
31۔تاریخ افاغنہ از نعمت اللہ خان۔
32۔بلوچستان، قدیم وجدید تاریخ کی روشنی میں، از میر گل خان نصیر 1982ء۔
33۔تاریخ بلوچستان از میر گل خان نصیر 1952ء اور 1979ء۔
34۔فرنٹیر اینڈ اوورسیز ایکسپیڈیشنز فرام انڈیا 1910ء۔
35۔برصغیر اور عرب مؤرخین از خورشید احمد فاروق 1986ء۔
36۔تاریخ سندھ از اعجاز الحق قدوسی 1985ء۔
37۔چاکر اعظم از سردار خان گشکوری اردو ترجمہ عبدالغفار ندیم 1988ء۔
38۔کہنیں بلوچی شاعری، میر شیر محمد مری 1970ء۔
39۔ازمنہ بلوچ از میر خدا بخش بجارانی مری۔
40۔شاہنامہ فردوسی، لکھنؤ چھاپ۔
41۔اے لائف ہسٹری آف اے برا ہوئی از ڈینس برے 1913ء۔
42۔تُرکی، نئے عالمی پس منظر میں، از شکیل اختر۔
43۔دی بیک گراؤنڈ آف پاکستان اینڈ اِٹس پیپلز، از احمد عبداللہ۔

44۔ سٹڈیز اِن براہوئی ہسٹری از ناصر بروہی۔
45۔ پٹھان اینڈ بلوچ از ایڈورڈ آلپور 1890ء۔
46۔ تاریخ سندھ، جیسے کہ اس کے اپنے مؤرّخوں نے بیان کیا، از جان ڈوسن۔
47۔ جنّت السندھ (سندھی) از رحیمداد مولائی شیدائی 1958ء۔
48۔ بیلابیں جابول (سندھی) از ڈاکٹر نبی بخش بلوچ۔
49۔ کمبران از الفت نسیم 1994ء۔
50۔ تاریخ ادبیات مسلمانانِ ہندو پاک۔
51۔ اے ہسٹری آف انڈیا، از جی۔ اے۔ وتھن اینڈ ایل۔ ایچ۔ او گیرٹ۔
52۔ رپورٹ آن اے لینگویسٹک مشن ٹو نارتھ ویسٹرن انڈیا۔
53۔ دی پیپلز آف پاکستان از یو۔ وی۔ گینکو وسکی۔
54۔ ہسٹری آف سندھ، عرب پیریڈ از ممتاز حسین پٹھان۔
55۔ بلوچستان اینڈ پشتون کونسچن از فیروز احمد۔
56۔ قدیم سندھ از بیرومل اڈوانی، 1958ء۔
57۔ دی نیٹیوز آف نارتھرن انڈیا از ڈبلیو۔ کروک۔
58۔ جنگ نامہ تحفۃ النصیر از قاضی نور محمد گنجابوی 1939ء۔
59۔ تاریخ شیر شاہی از عباس خان سروانی۔
60۔ شپ چراگ، دیوان ملّا فاضل رند۔
61۔ کُردہا، تُرکہا، عربہا (فارسی) ترجمہ از ابراہیم یونسی۔
62۔ میمائر آف دی کنٹری اینڈ فیملی آف دی احمدزئی خان آف قلات۔
63۔ طبقات ناصری از قاضی منہاج السراج 1844ء۔

تم بحمداللہ